نوآبادیاتی نظام اور برعظیم پاک و ہند میں حکومت برطانیہ کی حکمت عملی و مقاصد

سیدہ سعدیہ *

سیدہ مریم شاہ **

پس منظر (برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی حکومت قبل عہد برطانیہ):

برعظیم پاک و ہند میں اسلام کا ورود عربوں کے ذریعے ہوا جنہوں نے ۷۱۱ء میں محمد بن قاسم کی قیادت میں سندھ فتح کیا اور ملتان تک کا علاقہ اموی خلافت کے زیرِ نگیں آ گیا۔(۱) لیکن وہاں پر باقاعدہ کوئی اسلامی حکومت قائم نہ ہوئی۔ محمود غزنوی وہ پہلا مسلمان ہے جس نے برعظیم پر پہلی مسلمان حکومت قائم کی (۲) اور پھر یہ حکومت ترکوں، تغلقوں، خلجیوں اور لودھیوں کے ہاتھ سے ہوتی ہوئی مغلوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوگئی۔ اس دوران میں تختِ دہلی پر التمش جیسے دانشمند، بلبن جیسے پرشکوہ، علاؤالدین خلجی جیسے منتظم، محمد تغلق جیسے مجتہد مزاج اور سکندر لودھی جیسے متوازن حکمران متمکن ہوئے اور ہندوؤں کا برصغیر سے اسلامی حکومت کو ختم کرنے کا خواب ہمیشہ کے لیے پریشان ہوگیا۔ مغل آئے تو انہوں نے شان و شوکت کی نئی تاریخ رقم کی۔ ظہیر الدین بابر عزم و ہمت کا پیکر، نصیر الدین ہمایوں صبر و استقامت کا پہاڑ، جلال الدین اکبر سیاست و شجاعت کا عظیم فنکار، نور الدین جہانگیر عدل و انصاف کی نشاۃ ثانیہ کا علمبردار اور اورنگزیب عالمگیر شریعت کا فرمانبردار اسی خاندان کے عظیم حکمران تھے لیکن افسوس کہ یہ خاندان ۱۷۰۷ء کے بعد زوال پذیر ہوگیا۔(۳) اور ہمایوں کی تدبیر کہ ایرانی امراء پر بھروسہ کیا جائے اور اکبر کی چال کہ ہندوؤں کو سرفراز کر کے مخالفت ختم کی جائے، سلطنتِ مغلیہ کے لیے ہی نہیں برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ کے لیے بھی مہلک ثابت ہوئی۔ بایں ہمہ مغل دور تاریخ برصغیر کا ایک نہایت ہی روشن دور تھا۔

مغلیہ سلطنت کا زوال اور برطانوی سامراجیت:

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) (۴) کے بعد تختِ دہلی پر کوئی ایسا ذی وقار شخص متمکن نہ ہوا جو انتشار کی قوتوں کو کنٹرول کر سکتا چنانچہ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اور سکھوں اور مرہٹوں نے بھی سر اٹھایا لہٰذا ہندوؤں کو مغل شہزادوں اور شہنشاہوں کی فیاضی طبع کی وجہ سے جو اثر و رسوخ حاصل تھا انہوں نے اس کو کام میں لا کر سلطنتِ مغلیہ کا شیرازہ بکھیر دیا (۵) اور اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریز اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ انگریز جس وقت ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آیا اس وقت جہانگیر سلطنت پر متمکن تھا چنانچہ انہوں نے جہانگیر سے تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت چاہی جو کہ ۱۶۰۸ء میں مل گئی سب سے بڑی تجارتی کوٹھی سورت میں قائم ہوئی ۱۶۱۶ء جو اس وقت ایشیاء بلکہ دنیا کی بہت آباد و بارونق بندرگاہ تھی (۶) چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بحیثیت تجارتی ادارے کے تو ہندوستان میں سترہویں صدی کے

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

ابتدائی سالوں میں یعنی ۱۶۰۰ء میں باقاعدہ تجارت کی سند مل گئی تھی لیکن سیاسی قوت کی حیثیت سے برصغیر میں اس کے اقتدار کا دور اٹھارویں صدی کے نصف سے شروع ہوتا ہے۔ اسی لیے ۱۷۵۷ء کو اس کمپنی کے سیاسی استحکام کا پہلا سال کہا جاتا ہے(۷) یہی وہ سال ہے جب پلاسی کے مقام پر کمپنی نے فتح حاصل کر کے اپنے استحکام کے جھنڈے گاڑھ دیے تھے۔ اس کے بعد کا دور مقبوضات میں توسیع اور سیاسی مرکزیت کے حصول کا دور ہے۔

کمپنی کی کامیابی کے اسباب:

وہ کیا اسباب تھے جن سے کمپنی تجارت کے ادنیٰ کام سے حکومت کے اعلیٰ منصب پر پہنچی اس کی نسبت مسز اینی بیسنٹ لکھتی ہیں:

کمپنی والوں کی جنگ سپاہیوں کی جنگ نہ تھی بلکہ تاجروں کی جنگ تھی۔ ہندوستان کو انگلستان نے اپنی تلوار سے فتح نہیں کیا بلکہ خود ہندوستانیوں کی تلوار سے اور رشوت و سازش، نفاق اور حد درجہ کی دورخی پالیسی پر عمل کر کے ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑا کر حاصل کیا۔(۸)

برطانوی پارلیمنٹیرین مسٹر برک ہندوستان میں برطانیہ کی سامراجی پالیسی کے متعلق لکھتے ہیں:

’’عربوں، ایرانیوں اور تاتاریوں نے ہندوستان پر بہت سے حملے کیے جن میں سے اکثر انتہائی خونریزی اور تباہی کا باعث بنے۔ ان کے مقابلے میں عموماً ہمارے قدم اس ملک میں اتنا خون بہا کر نہیں بڑھے البتہ ہم نے دغا اور فریب کی مختلف صورتوں کے ساتھ پیش قدمی کی اور اس اندھی اور احمقانہ عداوت سے فائدہ اٹھایا جو ہندوستانِ والیان ملک کے درمیان ایک لاعلاج مرض کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔‘‘(۹)

برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے منتظمین نے مگرمچھ کی پالیسی پر عمل کیا وہ ہیرا پھیری، سازش، مکروفریب اور طاقت کے ظالمانہ استعمال سے بعض علاقے ہڑپ کر لیتے تھے اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیے چپ سادھ لیتے اور مقامی حکمرانوں کے ساتھ کیے گئے امداد کے وعدے پورے کرنے کی بجائے غیر جانبدار ہو جاتے۔ جب پہلا چھینا ہوا علاقہ ہضم ہو جاتا تو پھر نئے شکار کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔

انیسویں صدی تاریخِ ہند میں ایک:

۱۷۷۰ء میں مغل بادشاہ شاہ عالم انگریزوں کو دیوالی عطا کر کے ۲۵ دسمبر ۱۷۷۰ء کو دہلی کے قلعے میں انگریز فوج کے زیرِ سایہ داخل ہوا اور ۱۷۷۳ء تک پہنچتے پہنچتے قلعہ میں بادشاہ کے فرمان کی جگہ انگریزوں کا فرمان جاری ہونے لگا اور شمالی ہند میں میمن سنگھ اور چاٹگام سے لے کر دہلی تک انگریزی اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ جنوبی ہند میں انگریزوں کی سیاسی حکمتِ عملی اور عسکری پیش رفت جاری تھی۔ سلطان ٹیپو اور مرہٹوں میں پہلے ہی سے اختلافات چلے آ رہے تھے۔ انگریزوں نے مرہٹوں کو

اپنے ساتھ ملالیا۔ نظام کی فوجیں اپنے ساتھ لیں اور غدارِ ملت میر صادق کے ساتھ ساز باز کر کے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سلطان ٹیپو کو شہید کر کے برطانوی تسلط پورے جنوبی ہند پر قائم کر دیا۔ (۱۰)

انیسویں صدی تاریخ ہند میں ایک ایسی صدی ہے جس میں مکمل ہندوستان پر انگریزی تسلط قائم ہو جاتا ہے اور برصغیر پاک و ہند برطانیہ کی نوآبادی کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

نوآبادیاتی نظام:

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی نوآبادیاتی نظام کے قیام اور اس کے اثرات کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم نوآبادیاتی نظام کے معنی کی وضاحت کریں کہ آیا نوآبادیاتی نظام کیا ہے؟ اور اس کی تاریخ کیا ہے۔ لفظ کلونیل ازم کے لفظی معنی کو جاننے اور اس کی Etymology کا مطالعہ کرنے کی غرض سے اگر آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کا سہارا لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لفظ " کلونیل ازم" دراصل رومن لفظ " کلونیا" (Colonia) سے مشتق ہے جس کے معانی "Farm" یعنی کھیت یا پھر سیٹلمنٹ یعنی بستی کے ہیں اور یہ اصطلاح ان جگہوں کے لیے استعمال ہوتی تھی جہاں رومن اپنے آبائی اوطان چھوڑ چھاڑ کر جا بسے تھے البتہ وہ ابھی بھی رومن شہری (Citizens) کے سٹیٹس کے حامل تھے۔ (۱۱)

کلونیل ازم Colonialism:

Modern Colonialism goes back to the era of European discovery in the fifteenth century, connecting exploitation of raw materials with missionary ideas. Since then colonialism has taken several and different forms, and various colonial powers (such as the Portuguese and French in Africa, French and British in Middle East and South Asia, the Dutch in South east Asia, the Spanish in South America) tried to support their own hegemonies in Europe as well as competing and contesting materially and politically in border to control the new world economy.(12)

نوآبادیاتی نظام کی اس تعریف سے ہمارے سامنے مندرجہ ذیل نکات آتے ہیں:

۱) نوآبادیاتی نظام کے درپردہ عیسائی مشنریز کے عزائم کارفرما تھے۔

۲) صنعتی ترقی کے لیے ضروری تھا کہ خام مال تک رسائی حاصل کی جا سکے اور اس کے لیے ترقی یافتہ ملکوں نے نئی منڈیوں کی تلاش شروع کی۔

۳) ان ممالک نے خام مال کے بہتر انداز میں حصول کے لیے وہاں پر سیاسی طور پر غلبہ حاصل کیا تا کہ جدید نظامِ معیشت کو کنٹرول کر سکیں۔

ان نکات کا جائزہ لینے کے بعد جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نوآبادیاتی نظام کے پیچھے عیسائی مشنریز کی

تمنائیں کام کر رہی تھیں کیونکہ وہ یورپ میں صنعتی انقلاب آنے کے بعد شدت سے اس بات کے متمنی تھے کہ عیسائیت کے فروغ کے لیے اور عیسائی سلطنت کی وسعت کے لیے ضروری ہے کہ دیگر پسماندہ علاقوں میں جا کر عیسائیت کی اشاعت وتبلیغ کی جائے اور عیسائی مذہب اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جب ساری دنیا پر اس کا غلبہ ہو جائے۔ چونکہ سترہویں صدی عیسوی میں یورپ صنعتی ترقی کے ابتدائی مراحل طے کر کے ترقی یافتہ بن چکا تھا لہٰذا اب اس کے لیے نیا مرحلہ یہ تھا کہ وہ اپنی بالادستی کو قائم رکھتے ہوئے دیگر ترقی پذیر ممالک پر اپنا تسلط قائم کرے تاکہ وہاں کے معاشی نظام پر نہ صرف اس کی اجارہ داری قائم ہو جائے بلکہ سیاسی غلبہ بھی حاصل ہو چنانچہ یہ وہ دور تھا کہ جب بدقسمتی سے مسلم ممالک میں کوئی مستحکم حکومت قائم نہ تھی اور کم وبیش تمام مسلم ممالک اندرونی خلفشار اور عدم استحکام کا شکار تھے اس لیے ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یورپ نے اپنے استعماری وسامراجی نظریات کے تحت عالمِ اسلام پر اپنی یلغار کے لیے مختلف تدابیر کیں جیسا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور عیسائی مشنریز کے ذریعے برصغیر پر اپنا تسلط قائم کر کے اپنے استشراقی عزائم کو پورا کیا۔

نوآبادیاتی نظام کے لیے نوآبادکاروں کے طریقہ کار:

اس کے لیے انہوں نے مختلف طریقہ ہائے کار اپنائے مثلاً تجارت، لوٹ مار، مذاکرات، جنگ وجدل، نسل کشی، مقامیوں کو غلام بنالینا اور بغاوتوں وغیرہ کو فروغ دینا۔ کے کے عزیز برطانوی امپیریل ازم کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

The Indian, Mutiny, of 1857 hardened the imperial resolve to keep India at any cost: had so much English bloodshed in quelling the rising so that a few years later the rebels should be rewarded freedom! British imperialism has a long history. In the visible Elizabethan age seaman explored markets and ships full of gold. Trading companies were founded and the mercantilist theory of state soon made the flag fellow the trade. North America and the west India fell into British hands and the First British Empire was born. It was an empire of settlement, the immigrants from the home country peopling the colonies.(13)

ہمفرے جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت کے بعد وزارتِ خزانہ میں اہم عہدے پر فائز تھا وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے کہ نوآبادیاتی علاقوں پر برطانوی سامراجی پالیسی کے حوالے سے وہ اپنی پالیسی میں ان دو باتوں کی طرف بہت توجہ دیتے ہیں:

۱۔ ایسی تدابیر اختیار کریں جو سلطنت کی نوآبادیوں میں اس کے عمل دخل اور قبضے کو مستحکم کریں۔

۲۔ ایسے پروگرام مرتب کریں جن سے ان علاقوں میں ہمارا اثر ورسوخ قائم ہو جو ابھی ہماری نوآبادیاتی نظام کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی بظاہر تجارتی نوعیت کی تھی مگر درحقیقت جاسوسی کا اڈا تھا اور اس کے قیام کا مقصد ہندوستان میں

ان صورتوں یا ان راستوں کی تلاش تھی جن کے ذریعے اس سرزمین پر مکمل طور پر برطانیہ کا اثر و رسوخ قائم ہو سکے اور مشرق وسطیٰ پر اس کی گرفت مضبوط کی جا سکے…… یہ تدابیر طویل المعیاد پروگراموں کی صورت میں ان سرزمینوں پر جاری ہوئیں جو تمام کے تمام افتراق، جہالت، بیماری اور غربت کی بنیاد پر استوار تھیں۔(۱۴)

ہمفرے مذہبِ اسلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''مذہبِ اسلام تاریخی پس منظروں کی بنیاد پر ایک حریت پسند مذہب ہے اور اسلام کے بچے آسانی سے غلامی قبول نہیں کرتے۔ ان کے پورے وجود میں گزشتہ عظمتوں کا غرور سمایا ہوا ہے یہاں تک کہ اپنے اس ناتوانی اور پرفتور دور میں بھی اس سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہیں۔ ہم اس بات پر قادر نہیں ہیں کہ تاریخ اسلام کی من مانی تفسیر پیش کر کے انہیں یہ بتائیں کہ تمہاری گزشتہ عظمتوں کی کامیابی ان حالات پر منحصر تھی جو اس زمانے کا تقاضا تھا مگر اب زمانہ بدل چکا ہے اور نئے تقاضوں نے ان کی جگہ لے لی ہے اور اب گزشتہ دور میں واپسی ناممکن ہے۔''(۱۵)

ہمفرے کے ان بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ برطانوی سامراج کو مسلمانوں سے خطرہ لاحق تھا اسی وجہ سے جب حکومتِ برطانیہ نے اپنی سامراجی و استعماری پالیسی مرتب کی تو انہوں نے پادریوں کو بھی اپنی اس پالیسی میں شریک کیا کیونکہ ان کے نو آبادیاتی نظام کو فروغ دینے اور مستحکم بنانے میں در پردہ یہ بہت مضبوط اور اہم محرک تھا کہ وہ ان مسلم علاقوں کو عیسائیت کے جھنڈے تلے اکٹھا کر لیں تاکہ وہ اپنی اس ہزیمت و شکست کا بدلہ لے لیں جو صلیبی جنگوں میں انہیں اٹھانی پڑیں تھی لہٰذا ان کے نزدیک اب وقت آچکا تھا کہ وہ مسلمانوں سے اپنی شکست کا بدلہ لیں اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ بحال کریں۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کا بھیس بدلا۔ مسلمانوں کی زبانیں سیکھیں ان کے تہذیب و تمدن اور بود و باش کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں کے اندر رہ کر وہ بہتر انداز میں کام کر سکیں اور اپنی حکومتوں کے لیے جاسوسی کر سکیں۔ ہمفرے جو کہ خود ایک برطانوی جاسوس تھا اور مسلمان کے بھیس میں وہ مسلم ممالک میں جاسوسی کے لیے گیا اس نے ان علاقوں کی زبانیں خصوصاً فارسی اور عربی سیکھیں اور اپنی حکومت کے لیے راہیں ہموار کیں۔ دراصل یہی وہ استشراقی طریقہ کار ہے جو مستشرقین نے اپنے عزائم کو پورا کرنے کے لیے بکثرت اختیار کیا ہے۔

نو آبادی کے باسیوں کو مستقلاً Child اور immature قرار دے کر نو آبادیاتی حکمران ان کے مستقل ٹرسٹی بن بیٹھے۔ ہندوستان کے جغرافیئے اور یہاں پر رہنے والوں کی نسل، آب و ہوا، تاریخ، سماجی تنظیم، کلچر اور مذہب کو تہذیب اور سیلف گورنمنٹ کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بنا کر پیش کیا گیا۔ یہ سوچ دوسرے مرحلے کے دوران مروجہ سوچ کے بالکل ہی برعکس تھی کیونکہ دوسرے مرحلے میں ہندوستانی لوگوں سے کلونیل آقاؤں کو یہ امید ضرور تھی کہ وہ تعلیم و تربیت کے بعد یورپینز کی کاربن کاپیاں بن سکتے ہیں۔ گاوری وشواناتھن اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''اپنے نوآبادیاتی قبضے کو دوام بخشنے کے لیے سیاسی و اقتصادی وسائل پر اپنا تصرف قائم کر لینے کے علاوہ انگریزوں نے "مقامی کلچر" میں دخل اندازی کا آغاز کیا۔ خاص طور پر 1813ء کے چارٹر ایکٹ کے بعد سے برصغیر کے نظامِ تعلیم کو ازسرِ نو مرتب کیے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔'' (۱۶)

استشراق پر مبنی علم کے ذریعے مقامی حالات، سماجی اطوار، رسوم و رواج اور تاریخ کی نئے سرے سے توضیح کی جانے لگی۔ صدیوں پر محیط روایات میں رخنہ پیدا کر کے غیر ملکی تعلیم و علم کے ذریعے سے انہیں نئی بنیادیں فراہم کر دی گئیں جس کے سوتے انگلستان میں تھے نہ کہ ہندوستان میں۔ اس حوالے سے ہندوستان میں انگریزی زبان و ادب کو متعارف کروایا جانا بہت اہم اقدام تھا۔ انگریزی ادب کو کلچرل سٹڈیز کے طور پر یہاں ۱۸۲۰ء کی دہائی میں متعارف کروایا گیا جبکہ اس وقت انگلستان میں ابھی تک لاطینی کلاسیکی علوم ہی رائج تھے۔ گاوری وشواناتھن کا تو یہ کہنا ہے کہ "انگریزی ادب کے ذریعے دراصل عیسائیت کی تبلیغ کے لیے راستہ ہموار کیا گیا۔ (۱۷)

ہندوستان کی تاریخ کو نئے سرے سے مرتب کیا گیا بلکہ اسے مسخ کر کے اپنے مقاصد کے لیے تاریخ نویسی کروائی گئی جو کہ ایلیٹ اور ڈاؤسن جیسے مستشرقین سے مرتب کروائی گئی تاکہ اہلِ ہندوستان عموماً اور خصوصاً مسلمانوں کی تاریخ کو ایک بدنما داغ قرار دیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کیا نیز کوئی بھی اعلیٰ اخلاق مسلمانوں کی طرف منسوب نہ کیا گیا۔ جو مضامین پڑھائے گئے ان کا ہندوستانی ادب، تاریخ اور رسوم و رواج سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔

لارڈ میکالے اور چارلس گرانٹ کی جانب سے وضع کیے گئے اصولوں کی روشنی میں ہندوستان کے لیے ایسا تعلیمی نظام رائج کیا گیا جس کے ذریعے مغربی علوم سے کہ جو "مغربی عقلیت" میں گندھے ہوئے تھے یہاں کے طبقہ خواص کو بہرہ ور کیا جانے لگا۔ اس طرح 19 ویں صدی کے ربع آخر تک اچھی خاصی کلچرل انجینیر نگ کر دی گئی تھی۔

کلونیل استبداد کی کہانی اس وقت تک مکمل نہ ہو گی جب تک انگریزوں کے احساسِ برتری اور نسلی تفاخر کا ذکر نہ کیا جائے۔ ہندوستان میں اپنے اقتدار کو استحکام دینے کے بعد سے یہاں کی پسماندگی کی وجوہات مقامی کلچر اور نسل کی کمتری میں تلاش کی جانے لگیں۔ ہندوستان کی معاشرتی اقدار کو توہم پرست، تلذذ اور غیر انسانی رسوم سے عبارت قرار دے کر مسترد کر دیا گیا اور اس خیال کو رواج دینے کی حتی المقدور کوشش کی گئی کہ مشرق (ہندوستان) کی غیر متمدن عوام کو تہذیب و تمدن سے آشنا کرنے کی ذمہ داری انگریزوں کو خدا نے سونپی ہے۔ اس نظریے کو White Man Burden کہا گیا۔ (۱۸)

ہندوستان کے طبقہ اعلیٰ نے کلونیل ازم کی کلچرل برکات کو والہانہ انداز میں اپنایا اور انگریزی اطوار کو اپنا شعار بنا کر فخر کرنے لگے۔ جیمس مل، ولیم جونز، جان کلگرانسٹ، رچرڈ ٹمپل، ایلیٹ اور ڈاؤسن جیسے مستشرق ان کے علمی و فکری رہنما قرار پائے۔ ہمفرے کے مندرجہ ذیل اعترافات سے حکومت برطانیہ کی حکمتِ عملی کے متعلق معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ہمفرے اپنی

ڈائری میں لکھتا ہے:

''ایک دفعہ نوآبادیاتی علاقوں کے وزیر نے لندن کے ایک مشہور پادری اور ۲۵ دیگر مذہبی سربراہوں کے ساتھ ایک اجلاس منعقد کیا جو پورے تین گھنٹے جاری رہا اور جب یہاں کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوسکا تو پادری نے حاضرین سے مخاطب ہوکر کہا: آپ لوگ اپنی ہمتیں پست نہ کریں، صبر اور حوصلہ سے کام لیں، عیسائیت تین سو سال کی زحمتوں اور دربدری کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ اور ان کے پیروکاروں کی شہادت کے بعد عالمگیر ہوئی، ممکن ہے آئندہ تین سو سال بعد کافروں کو نکالنے میں کامیاب ہو۔ پس ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے آپ کو محکم ایمان اور پائیدار صبر سے مزین کریں اور ان تمام وسائل کو بروئے کار لائیں جو مسلمان خطوں میں عیسائیت کی ترویج کا سبب ہوں اور اس میں ہمیں صدیوں کا عرصہ بھی گزر جائے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں، آباؤ اجداد اپنی اولاد کے لیے بیج بوتے ہیں اور اس کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا (یعنی نفاق کا بیج ان کے درمیان بو دیا جائے) جو اسپین کے لیے کیا جس طرح اسپین کئی صدیوں کے بعد عیسائیوں کی آغوش میں چلا آیا تھا۔۔۔ اب وقت آ گیا ہے کہ عیسائی مسلمانوں سے اپنا بدلہ چکائیں اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ بحال کریں۔ اس وقت سب سے بڑی عیسائی سلطنت حکومتِ عظیم برطانیہ کے ہاتھ میں ہے جو دنیا کے طول و عرض پر اپنا سکہ جمائے ہوئے ہے اور اب برطانیہ چاہتا ہے کہ اسلامی مملکتوں سے نبرد آزمائی کا پرچم بھی اسی کے ہاتھ میں ہو۔'' (۱۹)

ہمفرے کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ نوآبادکاروں کو ان علاقوں میں ایسی راہیں تلاش کرنا تھیں کہ جس سے شریعتِ محمدی کا خاتمہ ہوسکے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ عیسائی مذہب میں داخل کر کے مسلمانوں کا نظام درہم برہم کر دیا جائے اور ان ممالک میں سامراجی نظام مستحکم بنیادوں پر استوار کیا جاسکے۔ لہٰذا نوآبادیاتی نظام کے درپردہ عیسائیوں کی مسلم دشمنی اور عیسائیت کی اشاعت و فروغ نیز مسلم ممالک کو عیسائیت کے جھنڈے تلے لانا جیسے اہم محرکات کارفرما تھے اور یہ نظام ان کے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے انہوں نے نہ صرف اپنے مذہب کی اشاعت و ترویج کا کام کیا بلکہ ان علاقوں کے وسائل پر بھی مکمل طور پر قابض ہوئے اور انہیں بری طرح لوٹ کھسوٹ کر اپنے ملک کی تجوریاں بھریں اور برصغیر جو کہ اس سے قبل "سونے کی چڑیا" کہلاتا تھا اسے مٹی کا ڈھیر بنا دیا گیا۔

ڈاکٹر مبارک علی نے بھی بہت تفصیل کے ساتھ نوآبادیاتی نظام کے خصائص کی وضاحت کی ہے۔ آپ کے مطابق

"نوآبادیاتی نظام ایک ایسی سوچ، نظریہ اور فکر کی پیداوار تھا جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ دنیا میں نسلوں اور قوموں میں فرق و اختلاف ہے جس کی وجہ سے کچھ نسلیں اعلیٰ و برتر اور مہذب ہیں اور کچھ کمتر و غیر مہذب اور پس ماندہ۔ لہٰذا اعلیٰ و مہذب نسلوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیر متمدن نسلوں کو اپنی ماتحتی میں رکھ کر مہذب بنائیں اور ان کی زندگی و مستقبل کو بہتر بنانے میں مدد دیں۔ مغربی تہذیب کو اس بات پر بھی ناز تھا کہ اس کی تہذیب اور کلچر میں سائنسی سوچ اور فکر ہے جس کی وجہ سے

انہوں نے جو نالج سسٹم تشکیل دیا ہے وہ سب سے بہتر ہے لہٰذا دنیا کی ترقی کا دارومدار اس نالج سسٹم پر ہے۔ جب مغربی ملکوں نے اپنی نوآبادیات پر تسلط مضبوط کیا تو انہوں نے اول تو محکوم قوموں اور نسلوں میں اس احساس کو پیدا کیا کہ وہ تہذیبی طور پر ان سے بہت پیچھے ہیں، اس لیے مغرب کا تسلط ان کے لیے باعثِ نعمت و برکت ہے۔ دوسرے انہوں نے علمی طور پر ذہنوں کو مسخر کیا جس کی وجہ سے نوآبادیات کے لوگوں کو اپنی روایات وقدروں سے نفرت ہوگئی۔ انہیں اپنا مذہب توہمات کا مجموعہ، اپنا کلچر جہالت کا مظہر اور اپنا ادب لغویات کا مجموعہ نظر آنے لگا۔۔۔۔

چنانچہ جب نوآبادیاتی دور کا خاتمہ ہوا تو سیاسی طور پر تو ایشیا و افریقہ کے ملک آزاد ہو گئے مگر سماجی و معاشی، سائنسی و فکری طور پر یہ مغرب کے زیرِ اثر اور تسلط میں ہی رہے۔ ان ملکوں میں جو حکمران طبقہ آیا یہ وہ لوگ تھے جو مغرب کے تعلیم یافتہ اور مغربی تہذیب سے متاثر تھے۔ ان کے نزدیک جدیدیت کے معنی مغربی تہذیب و تمدن اختیار کرنا اور مغربی کلچر کو فروغ دینا تھا۔" (۲۰)

برصغیر میں نوآبادیاتی نظام کے اثرات:

برصغیر پاک و ہند میں ابتدائی طور پر انگریز بحیثیت تاجر، مشنری، سفیر، سیاح اور مہم جو کے آئے۔ اس لیے بحیثیت تاجران کا مقصد یہ تھا کہ مغل حکومت سے زیادہ سے زیادہ تجارتی سہولتیں حاصل کریں، اس مقصد کے لیے وہ دربار میں امراء کی حمایت حاصل کرنے اور ان کی سفارش کی غرض سے انہیں تحفے تحائف دیتے تھے۔ مشنری کی حیثیت سے ان کی کوشش یہ تھی کہ بادشاہ یا امراء کو عیسائی بنالیں تاکہ حکومت کی طاقت انہیں مل جائے اور اس کی مدد سے وہ لوگوں کو عیسائی بنالیں۔ انہوں نے برصغیر میں اپنی نوآبادی قائم کرنے کے لیے ان مبلغین کا سہارا لیا اور عیسائیت کی تبلیغ کرنے کو بھی اپنی پالیسی میں سرِ فہرست رکھا۔

برصغیر اور عیسائی مبلغین:

حکومتِ برطانیہ نے ہندوستانی نوآبادی میں اپنا اثر ونفوذ مکمل طور پر قائم کرنے کے لیے اور اس پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے عیسائی مبلغین کو بھیجا اس کے ذریعے وہ معاشرتی طور پر ہندوستان میں خود کو بہت زیادہ مستحکم کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بات خصوصاً مدنظر رکھی گئی کہ وہ لوگ عربی، فارسی، مقامی زبانوں کے ماہر ہوں اور ان پر پوری دسترس رکھتے ہوں۔ نیز انہیں اسلام اور قرآن سے متعلق معلومات بھی بہتر طور پر ہوں تاکہ وہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں ان سے فائدہ لے سکیں اور مقامی افراد کو ان پر شک بھی نہ ہو۔ یہ عیسائی مبلغین اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر اور انیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں آئے۔ یہ مبلغین کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھنے والے مبلغین حکومتِ برطانیہ کے پسندیدہ تھے اور انہیں زیادہ مراعات حاصل تھیں۔ ان مبلغین نے انجیل کا مقامی زبانوں

میں ترجمہ کیا اور بہت سی کتب تحریر کیں، مناظرے منعقد کیے اور چھاپہ خانے بنائے۔ ان تمام چیزوں کے خطرناک حد تک اثرات مقامی آبادی پر ہوئے۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں۔

"This type of missionaries comes in, from United States, Britain, Germany and France. Majority of them was Protestants of England. They spread in almost all of India - and their activities can be seen at church societies. These societies centered at Delhi and its surrounding. The strategy, they adopted for the purpose was to understand the religion of local people and grasp over the local languages." (21)

اسی لیے ان مبلغین نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں کتب تحریر کریں۔ اے اے پاؤل ان مبلغین میں سے چند مشہور عیسائی مبلغین کے نام اس طرح تحریر کرتی ہیں:

1.	Hennery Martyn	d: 1812
2.	Thomas Scott	d: 1821
3.	William Carey	d: 1834
4.	Jhon Neuton	d: 1850
5.	Thomas Hunter	d: 1857
6.	Carl Pfander	d: 1868
7.	Charless William Forman	d: 1878
8.	Andrew Goden	d: 1887
9.	Robert Clark	d: 1900(22)

کارل فنڈر Carl Pfender:

ان عیسائی مبلغین میں سب سے اہم نام Carl Pfender کا ہے۔ اسے ہندوستان میں عیسائی مشنریز کا سب سے بڑا باپ کہا جاتا ہے۔ وہ 1803ء میں جرمنی میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی تعلیم متحدہ روس کے شہر جارجیا سے حاصل کی۔ وہ اکثر و بیشتر ایران کے دورے کرتا تھا۔ اس نے ایران سے فارسی زبان سیکھی اور اپنا عیسائی تبلیغ کا مشن ہندوستان سے شروع کیا۔ ۱۸۳۹ء میں وہ محلہ عبدالمسیح ہندوستان میں رہائش پذیر تھا۔ ہندوستان آنے سے پہلے کارل فنڈر نے اپنی مشہور کتاب "میزان الحق" لکھ لی تھی اور یہ کتاب انگریزی اور فارسی دونوں زبانوں میں تھی۔ ہندوستان آنے سے پہلے اس نے اپنی اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا اور اسے پورے ہندوستان میں پھیلا دیا۔ اس کی یہ کتاب مکمل طور پر اسلام، پیغمبر اسلام جناب حضرت محمد ﷺ اور قرآن حکیم کے خلاف تھی۔ اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے اور ان میں اشتعال پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے ہندوستان میں مناظرے اور چیلنج کا ماحول پیدا ہوگیا۔ اے اے پاول لکھتی ہیں:

"The Meezan ul Haqq Balance of the truth was to become the focus not only of the Muslim

counter attack on Christianity which was subsequently to have its starting point in Agra, but would soon afterwards be translated into most of the languages of the Muslim world where its notoriety has survived for the last century and a half. In a real sense Pfander can be seen as a paradigm of Evangelical Orientalism, and the catalyst whose writings and activities created the high colonial interface with the world of Islam." (23)

"میزان الحق" کے بعد فنڈر نے اپنی کتاب "مفتاح الاسرار" لکھی اور جب یہ کتاب زیورِ طباعت سے مزین ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں آئی تو دہلی، آگرہ اور لکھنؤ کے علماء کے ساتھ بحث ومناظرہ کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ کئی مسلمانوں کے عقائد متزلزل ہو گئے۔ اس وجہ سے عیسائی مبلغین اور حکومت کی نگاہ میں پادری فنڈر کا وقار واعتبار بڑھ گیا۔ خود فنڈر کو بھی اس بات پر فخر وغرور تھا کہ وہ فارسی اور اردو زبان سے واقف ہے۔ فنڈر نے ان کتابوں کے علاوہ اردو زبان میں ایک رسالہ جس کا نام "شجرِ زندگانی" ہے، بھی تحریر کیا تھا جس میں عیسائی عقائد واخلاق سے متعلق اقتباسات جمع ہیں۔ فنڈر نے ہندوستان میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز عوامی اجتماعات میں تقریروں سے کیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تقریبات، میلوں ٹھیلوں میں بھی وہ تقریریں کر کے اسلامی عقائد کے بارے میں شکوک وشبہات کے کانٹے پیدا کرتا اور پھر سامعین کو مشورہ دیتا کہ وہ مسیحی عقائد کو قبول کر لیں جو شخص مسیحی عقائد پر ایمان لائے بغیر اس دنیا سے چلا جائے گا وہ گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر لاد کر اس دنیا سے جائے گا۔

پادری فنڈر کے تربیت یافتہ مبلغین دیہاتوں میں بھی جا کر سادہ لوح دیہاتیوں کو دینِ مسیحیت کی دعوت دیتے۔ جنوبی ہند کے شہروں میں انگریزی زبان میں تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اور غیر مسلموں کو خطاب کیا جاتا۔ فنڈر کے کام میں وہ لوگ خاص طور پر معاون ومددگار ہوتے جو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن چکے تھے۔ ان لوگوں میں صفدر علی، عماد الدین، سید عبداللہ اثیم، منشی محمد حنیف موسیٰ احمد مسیح کے ساتھ ڈاکٹر برخوردار خان قابلِ ذکر ہیں۔ (۲۴)

پادری فنڈر نے اپنی کتب کی نشر واشاعت کے لیے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ اس نے ان کتب کے تراجم خصوصاً اردو زبان میں کروائے اور مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ یہ اس لیے بھی تھا کہ اسے حکومتی سرپرستی حاصل تھی۔ ان کوششوں کی وجہ سے مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی کیونکہ یہ پہلا موقع تھا جب اعلانیہ مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دی گئی اور دعوت بھی ایسی جسے حکومتِ وقت کی بھرپور حمایت حاصل تھی اور حکومت کے تمام ذرائع اس کی پشت پر تھے۔ علماء کو تشویش تھی کہ کہیں عوام الناس اس سے متاثر ہو کر اسلام کے بارے میں متشکک الذہن ہو کر اسلام کو چھوڑ نہ دیں اور عیسائیت کو قبول نہ کر لیں۔

حکومتِ برطانیہ کی ان پالیسیوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سرزمینِ پاک وہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے ہمدوش مذہب عیسوی نے بھی فروغ حاصل کیا اور سرزمین پاک وہند پر حملہ آور ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی پوری پوری کوشش کی کہ اس مغلوب ملک کو دینی حیثیت سے بھی فتح کیا جائے۔ اس وجہ سے کمپنی کی تائید اور اعانت سے

عیسائی مذہب کی تنظیم و ترقی عمل میں لائی گئی۔ ملک کے طول و عرض میں عیسائی مشنریز کو منظم کیا گیا۔ کمپنی کے فنڈز کی ایک بہت بڑی مقدار ان کے لیے مخصوص کی گئی۔ چرچ مشن سوسائٹی، بائبل سوسائٹی، مشن فنڈ، مشن ہسپتال، مشن اسکول اور مشن کالج ملک کے مختلف حصوں میں قائم کیے گئے۔ مذہبی کتابوں اور اخبارات و رسائل کی نشر و اشاعت کے ذریعے عوام کے دینی رجحانات اور عقائد کو بدلنے کی مہم ایک بہت بڑے پیمانے پر جاری کی گئی۔ یہ سب کچھ مشنریز کی طرف سے نہیں تھا بلکہ خود کمپنی بہادر (حکومت) کی ملکی سیاست اور عملی تائید اس کے ساتھ تھی۔ مشنریوں کو مالی امداد سے نوازا جاتا۔ ممتاز اور اعلیٰ حکام ان کی برابر سرپرستی کرتے بلکہ ان کی سرپرستی کرنا اپنا ایک دینی فریضہ اور حکومتی فرض قرار دیتے۔ (۲۵)

عیسائی مشنری تعلیمی اداروں کا قیام:

۱۶۹۸ء کے اعلانیہ کے مطابق ایسٹ انڈیا کمپنی نے مدراس میں ۱۷۱۵ء میں بمبئی میں ۱۷۱۸ء میں اور کلکتہ میں ۱۷۳۱ء میں اسکول کھولے۔ ان کا مقصد انگریزی سپاہیوں، اینگلو انڈین بچوں اور غریب بچوں اور مسلمان بچوں کو بنیادی تعلیم دینا اور عیسائی مذہب کی تعلیم دینا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ عیسائی مشنری لوگ برطانوی حکومت پر زور ڈال رہے تھے کہ مشنریوں کو زیادہ سے زیادہ ہندوستان جانے دیا جائے اور ہندوستانی عوام کی تعلیم اور مذہبی تبدیلی کے لیے کام کرنے دیا جائے اور کمپنی کو حکم دیا جائے کہ وہ اس کام کے لیے بھرپور امداد و تعاون کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۱۳ء میں چارٹر ایکٹ کے تحت مشنریوں کو ہندوستان آکر مذہبی تبلیغ کی آزادی دے دی گئی۔ اس چارٹر کے تحت کمپنی کے بجٹ سے ایک لاکھ روپے سالانہ تعلیم کے لیے سرکاری طور پر قائم اسکولوں کے اخراجات کے لیے بھی منظور کیے گئے۔ چونکہ اب عیسائی مذہب کی ترویج و تبلیغ کے لیے مختلف مشینریاں اس علاقے میں آزادی سے اپنا کام کرنے لگیں تھیں۔ (۲۶)

یوں برصغیر میں عیسائی مشنری تعلیمی اداروں کا جال بچھ گیا۔ انگریزوں نے حکومت چونکہ مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے انہوں نے حکمتِ عملی کے تحت ابتدائی طور پر عیسائی مشنریز کو کھلم کھلا تبلیغ کرنے سے منع کیا تا کہ ابتدائی دور پر عوام کے مذہبی جذبات کو مطمئن رکھا جا سکے لیکن ۱۸۱۳ء کے بعد ان کی یہ پالیسی بدل گئی کیونکہ اب وہ بہت زیادہ مستحکم بنیادوں پر برصغیر میں اپنی نو آبادی قائم کر چکے تھے۔ نہ صرف یہ کہ مشنری ادارے قائم کرنے کی اجازت مل گئی بلکہ ان کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہو گئی۔ انگریز افسر اپنے ماتحتوں میں عیسائی لٹریچر خود تقسیم کرتے تھے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز کی طرف سے بھی ان سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ اس کی انتہا یہ تھی کہ سرکاری ملازمین کو مسلسل ایسی چٹھیاں دی جاتی تھیں جو انہیں تبدیلی مذہب کی ترغیب دیتی تھیں۔ سرسید نے پادری ایڈمنڈ کی چٹھیوں کا خلاصہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

''۱۸۵۵ء میں پادری اے ایڈمنڈ نے دارالامارت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً معزز نوکروں کے پاس چٹھیاں بھیجیں۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ اب ریلوے سڑک سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہو گئی ہے مذہب بھی ایک ہونا چاہئے اس لیے

مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ہو جاؤ۔''(۲۷)

تبدیلی مذہب کو آسان تر بنانے کے لیے حکومت نے ایکٹ ۲۱ مجریہ ۱۸۵۰ء کی رو سے قانونِ وراثت میں تبدیلی کر دی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اس قانون کو منسوخ کر دیا جس کی رو سے کوئی شخص تبدیلی مذہب کے بعد اپنے باپ کے ورثے کا حقدار نہیں رہتا۔ مسلمانوں کا رشتہ ان کے علوم سے قطع کرنے کے لیے یہ طریقہ کار اختیار کیا گیا کہ سرکاری مدرسوں میں نصاب کو یکسر تبدیل کر دیا گیا جس سے فارسی چنداں قابل لحاظ نہ رہی اور عربی و قرآن و حدیث وفقہ کا معاملہ بھی کمزور تر ہو گیا۔ اس صورتحال نے انگریزوں کے لیے اہداف حاصل کرنا آسان تر بنا دیا کیونکہ اس سے مسلمانوں میں مذہبی تعلیم معدوم ہو گئی اور مسلمانوں کے اندر اپنے مذہب سے لگاؤ میں جو شدت تھی اس میں کمی کرنا آسان ہو گیا کیونکہ وہ مغربی تعلیم کو عیسائیت کی اشاعت ہی کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان کے طریقہ کار کے بارے میں سرسید لکھتے ہیں:

''ہندوستانیوں کو معلوم تھا کہ "ہماری گورنمنٹ" کے احکام بہت آہستہ آہستہ ظہور میں آتے ہیں۔ جو کام کرنا ہوتا ہے رفتہ رفتہ کیا کرتی ہے۔ اس واسطے دفعتاً اور جبراً مسلمانوں کی طرح دین بدلنے کو نہیں کہتے مگر جتنا جتنا قابو پاتے جائیں گے اتنی اتنی ہی مداخلت کرتے جائیں گے اور سب کو یقین تھا کہ گورنمنٹ اعلانیہ جبر، مذہب بدلنے پر نہیں کرے گی بلکہ خفیہ تدبیریں کر کے، اپنے دین و مذہب کی کتابیں اور رسائل اور وعظ کو پھیلا کر، نوکریوں کا لالچ دے کر لوگوں کو بے دین کر دے گی۔''(۲۸)

۱۹۳۷-۱۹۳۸ء کا قحط اور عیسائی مشنریز:

۱۸۳۸ء کے قحط سالی کے ایام میں عیسائی مشنریز نے بھرپور طریقے سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے لوگوں کو خوراک و امداد کا لالچ دے کر انہیں عیسائی بنانا شروع کیا۔ اس کے علاوہ جو بچے یتیم ہوئے انہیں اپنے مشنری اداروں میں داخل کر دیا اور ان کی سرپرستی کی تاکہ وہ عیسائیت کو قبول کر کے آئندہ اشاعتِ عیسائیت کے لیے کام کر سکیں۔ عیسائی پادریوں نے قحط زدہ علاقوں کے دورے کیے۔ بھوک وافلاس سے مجبور عوام کی مدد کی اور غریب و بیمار افراد کی تیمارداری کی۔ بے شک ان لوگوں نے عیسائیت کے فروغ میں بے مثال مشکلات کو برداشت کیا۔ اسی لیے ان غربت زدہ افراد کے درمیان تبدیلی مذہب کا رجحان زیادہ رہا ہے اور وہ زیادہ تعداد میں مائل بہ عیسائیت ہوئے کیونکہ پادری ان کے نجات دہندہ اور ہمدرد بن کر دکھوں کے مداوے کے لیے آئے تھے۔ سرکاری سرپرستی میں حکام بہت سا روپیہ پیسہ ان پادریوں کو دیتے کہ وہ ان سے کتابیں خریدیں اور بانٹیں۔ اکثر حکام اپنے ملازمین کو اپنے گھروں پر پادریوں کے تبلیغی وعظ سنانے کے لیے مدعو کرتے۔ غرض یہ کہ اس طریقے سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ حکومت ان کا یا ان کی اولاد کا نیا مذہب قائم کر رہی ہے۔

مشنری اسکول جو بہت زیادہ تعداد میں کھولے جا رہے تھے ان میں مذہبی تعلیم دی جاتی تھی۔ حکومتی اعلیٰ عہدے

داران علاقوں کے دورے کرتے اور لوگوں کو ان اسکولوں میں داخلے کی ترغیب دیتے۔امتحان مذہبی کتب کا لیا جاتا تھا اور جو طالبعلم کم عمر ہوتے تھے ان سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون ہے؟ تمہیں نجات دلانے والا کون ہے؟ جب وہ عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تو ان کو انعام دیا جاتا۔گویا ترغیب وتحریص کی پالیسی اپنا کر لوگوں کو عیسائیت کی طرف مائل کیا جاتا۔ یہ ذریعہ تعلیم اس لیے اپنایا گیا کہ نومولود ذہین بہت جلد اثرات قبول کر لیتے ہیں۔ان اداروں میں چونکہ عیسائی مبلغین ہی تعلیم دیتے تھے اور وہ بہت نرم خورویہ اپنے طلباء کے ساتھ اختیار کرتے تھے جن سے طلباء ان کی طرف مائل ہونے لگتے تھے اور ان کی دی گئی تعلیمات ان کے اندر پیوست ہو جاتی تھیں۔یوں وہ لاشعوری طور پر عیسائیت قبول کر لیتے تھے۔سر سید احمد خان اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''۱۸۳۷ء-۱۸۳۸ء کے دوران یتیم بچے ان مشنریوں کے حوالے کیے گئے۔مسلمانوں اور ہندوؤں میں سے جو بھی ان بچوں کو رکھنا چاہتا تھا اس اجازت نہ دی جاتی تھی۔سر سید نے بہت سے بچوں کو ان مشنریز کے حوالے کیا جبکہ بہت سے ہندو اور مسلمان ان کی پرورش کرنا چاہتے تھے۔'' (۲۹)

ہندوستان میں عیسائیت کے فروغ کے پیچھے صدیوں سے مسلمانوں سے بدلہ لینے کی بے تاب تمنائیں کام کر رہی تھیں۔حکومتی سرپرستی نے اس مہم کو بھرپور طریقے سے بامِ عروج پر پہنچایا تا کہ نوآبادکاروں کو اپنے سامراجی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے آسانی سے ذرائع و وسائل مہیا ہو سکیں۔

تعلیمی وثقافتی مراکز اور مشنریز کے مقاصد:

مستشرقیت پر مبنی تعلیم کے ذریعے مقامی حالات، سماجی اطوار، رسوم ورواج اور تاریخ کی نئے سرے سے توضیح کی جانے لگی۔لہٰذا انیسویں صدی کے بعد سے ہندوستانی معاشرہ سماجی اتھل پتھل کا شکار ہو گیا۔جس کی متعدد وجوہات میں سے ایک وجہ کلونیل جدیدیت بھی تھی۔صدیوں سے چلی آ رہی روایات میں رخنہ پیدا کر کے غیر ملکی تعلیم وتعلم کے ذریعے سے انہیں نئی بنیادی فراہم کر دی گئیں جس کے سوتے انگلستان میں تھے نہ کہ ہندوستان میں۔اس حوالے سے ہندوستان میں انگریزی زبان وادب کو متعارف کروایا جانا بہت اہم اقدام تھا۔انگریزی ادب کو کلچرل سٹڈیز کے طور پر یہاں ۱۸۲۰ء کی دہائی میں متعارف کروایا گیا جبکہ اس وقت میں بھی انگلستان میں ابھی تک لاطینی کلاسیکی علوم ہی رائج تھے۔(۳۰)

گادری وشواناتھن کا تو یہ کہنا ہے کہ انگریزی ادب کے ذریعے دراصل عیسائیت کی تبلیغ کے لئے راستہ ہموار کیا گیا۔(۳۱)

اسپتال اور مشنریز کے مقاصد:

عیسائیت کو تعلیمی اداروں کے علاوہ ہسپتالوں کے ذریعے پھیلانے کی بھی کوشش کی گئی، کیونکہ دانشوروں نے اس طریقے کو بڑا موثر پایا تھا۔اس طریقہ سے مریض اور اس کے گھر والوں کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے۔اس سے قبل فرانس

زیور بھی اس طریقے کے مؤثر ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کر چکا تھا چنانچہ اب حکومتِ برطانیہ نے ان تعلیمی اداروں کے پہلو بہ پہلو عیسائی مشنریز کے زیرِ انتظام ہسپتال اور شفاخانے بھی قائم کیے۔ اس سب کا مجموعی بجٹ بیس لاکھ ڈالر سالانہ تھا۔ ان مسیحی ہسپتالوں میں کام کرنے والی نرسوں کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ سال میں کم از کم چھ ہزار خاندانوں سے ذاتی ربط پیدا کریں، خصوصی طور پر خواتین کو مختلف عیسائی تقریبات میں مدعو کر کے ان کے ذہنوں کو عیسائیت کے لیے ہموار کریں۔ سالانہ تیس ہزار خواتین کے مفت علاج کی سہولت بھی ان ہسپتالوں میں مہیا کی گئی تھی۔ (۳۲)

ان کے قائم کردہ ہسپتالوں کا معیار بھی عام ہسپتالوں سے بلند تر ہوتا تھا اس طرح عیسائی مشنری اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے نہایت اہم اڈے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسٹر اینکر اپنی بہن کے بارے میں لکھتے ہیں:

" مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوءِ کہ شہر کی عورتیں اچھی تعداد میں آنے لگی ہیں ہم عوام میں دواء تقسیم کرتے ہیں اور دوسری عیسائی عورتیں مشنری کام میں حصہ کافی لیتی ہیں۔" (۳۳)

سر سید لکھتے ہیں:

"In 1848 when the English took over the Madras there was bulk of British, American and German missionaries, it spread in cities, towns even streets and preached Christianity. It was opened schools, set up hospitals and in these schools and hospitals the supremacy of Christianity was proved. Islam was condemned and ridiculed. The rulers also took part in such activities." (34)

اشاعتی سرگرمیوں کا مقاصد:

اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی اشاعتی سرگرمیوں کا ایک حصہ برصغیر کے مذاہب بالخصوص اسلام پر تابڑتوڑ حملے کرنا بھی تھا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو خود ان کے اپنے مذہب کے بارے میں غیر مطمئن کر دیں۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کیا۔ انگریزی ذریعہ تعلیم ہونے کی وجہ سے مسلمان بچے حصولِ تعلیم کے لیے انہی کی لکھی ہوئی تاریخی کتب پڑھنے پر مجبور تھے۔ انہوں نے اسلام کے بعض حصوں کو خاص طور پر ہدفِ تنقید بنایا مثلاً جہاد کا جو نقشہ انہوں نے کھینچا وہ کچھ اس طرح کا تھا کہ گویا مسلمان تلوار ہاتھ میں لیے لوگوں کو زبردستی مسلمان کیا کرتے تھے۔

اس کے ردِعمل کے طور پر مسلمانوں میں بعض شخصیتوں نے معذرت خواہانہ طرزِ عمل اختیار کیا اور جہاد کو " خالص دفاعی" قرار دیا۔ بعض تو یہاں تک گئے کہ آج کل جہاد کی ضرورت نہیں لہٰذا جہاد کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔ عیسائی مشنریوں کی سب سے زیادہ مذموم حرکت نبی کریمؐ اور صحابہ کرام کی ذات پر رکیق حملے کرنا تھی۔

تاہم مسلمان علماء نے ان کے تمام حملوں کا مقابلہ کیا اور مذہبی مناظروں میں ان کو خود ان ہی کے ہتھیار سے منطقی

استدلال سے شکست دی اور مسلمانوں میں ان کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔(۳۵)

مشنری سوسائٹیوں نے ،دعاؤں، مناجات اور گیتوں کے علاوہ ہندوستان کے دیگر مذاہب خصوصاً ہندو مسلمانوں کے مذہب، ان کی کتاب برگزیدہ قرآن مجید اور اس کے پیغمبر محمد رسولؐ کی ذات گرامی کے خلاف اور دین مسیحیت کی حقانیت وصداقت کو جتانے کے لیے بہت سی کتب شائع کیں۔ جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: میزان الحق، مفتاح الاسرار، ابطال محمدیؐ بمقابلہ دین عیسوی، تلخیص الاحادیث یا تعلیم محمدی، ہدایت المسلمین، رسالہ تحریف القرآن، اصلیت قرآن، رسالہ اظہار عیسوی، رسالہ سیرت المسیح والمحمد عدم ضرورت قرآن، (۳۶)

مذہبِ عیسوی کی تعلیم واشاعت کے سلسلے میں اپنائی جانے والی حکمتِ عملی کے بارے میں مسٹر ٹریولین کی تحریر اس طرح سے ہے:

میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ تمام سکولوں کو جہاں عمدہ تعلیم دی جاتی ہے مالی امداد دی جائے۔ میرا یہ منشا نہیں کہ وہ وقت کبھی نہ آئے گا جب کہ سرکاری مدارس میں بھی مذہبِ عیسوی کی تعلیم براہِ راست دی جائے گی۔ میرے نزدیک ہمارا اصل اصول یہ ہونا چاہیے کہ لوگوں کو وہ عمدہ تعلیم دی جائے جس اصول کے لیے وہ رضامند ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی تعلیم جو مذہبِ عیسوی پر مبنی نہ ہو وہ ناقص ہے۔ نتیجہ یہ کہ جب ہندوستان کا بڑا حصہ تعلیم یافتہ ہو جائے گا..... میرا یقین ہے کہ جس طرح ہمارے بزرگ کل کے کل ایک ساتھ عیسائی ہو گئے تھے اسی طرح یہاں بھی سب کے سب عیسائی ہو جائیں گے۔ ملک میں مذہب عیسوی کی تعلیم بلاواسطہ پادریوں کے ذریعے اور بالواسطہ کتابوں، اخباروں اور یورپیوں سے بات چیت وغیرہ کے ذریعے سے نفوذ کرے گی حتیٰ کہ عیسوی علوم تمام سوسائٹی میں نفوذ کر جائیں گے تب ہزاروں کی تعداد میں عیسائی ہوا کریں گے۔(۳۷)

اس طریقے سے عیسائی مشنریز نے نوآبادیات میں اپنے اہداف حاصل کیے اور اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کر کے اپنی حکومت کو ان علاقوں میں مستحکم بنیاد فراہم کی جس پر ۹۰ سال برطانیہ نے اپنی حکومت برصغیر میں قائم کیے رکھی۔ کیونکہ یہ بھی ان کے سامراجی نظام کا بہت بڑا حصہ تھا کہ ان قوموں کا مذہب تبدیل کر کے انہیں ہم مذہب بنا لیا جائے تا کہ ان کی تہذیبی روایات ختم کر دی جائیں اور ان کے اندر مزاحمتی کوششیں سر نہ اٹھائیں اور وہ سامراجی نظام کا حصہ بن کر عضوِ معطل ہو جائیں۔ اسی حقیقت کا تذکرہ ڈاکٹر مبارک علی نے اپنی کتاب میں ان الفاظ میں کیا ہے:

''ان حالات میں ان کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ ان کا مذہب تبدیل کر کے، انہیں ہم مذہب بنا لیا جائے اور پھر اپنی تہذیبی روایات میں شامل کر کے ان کی اپنی ذات اور شناخت ختم کر دی جائے۔ اس سلسلے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے ان کی مزاحمت ختم ہو جائے گی اور وہ سامراجی طاقت کا حصہ بن کر عضوِ معطل اور بیکار ہو جائیں گے۔''(۳۸)

اس پس منظر میں جب ہم انگریزوں کے ہندوستان میں رویوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کے سامراجی ذہن اور عیسائیت کے فروغ واشاعت کے عمل کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

نوآبادکاروں کے تعلیمی اثرات:

فرنگ کی تمام اقوام کو اسلام اور مسلمانوں سے شدید نفرت ہے اور یہ نفرت ان کے لاشعور میں پیوست ہوگئی ہے۔ مشہور فرانسیسی مستشرق گستاؤلی بان اپنی مشہور کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے:

> ''وہ موروثی تعصب جو ہمیں اسلام اور پیروانِ اسلام سے ہے اور مدتِ دراز سے جمع ہوتا چلا آیا ہے حتی کہ اب یہ ہماری ذہنی ساخت کا جزو بن چکا ہے، ہمارے تعصّبات اس قدر جبلی، طبعی اور اس قدر شدید ہیں جیسے یہودیوں کے تعصّبات عیسائیوں کے خلاف ہیں۔'' (۳۹)

لہٰذا برطانوی عہد میں بھرپور طریقے سے اس بارے میں کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل، ان کی تہذیب وتاریخ کو مسخ اور ان کے اخلاق وکردار کو گدلا کر کے ان پر مرعوبیت اور مغربیت کا لبادہ ڈال کر ان کو ذہنی طور پر مفلوج اور جزوِ معطل بنا دیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے نئے تعلیمی نظام کو تشکیل دیا تاکہ جو کامیابی انہیں مذہبِ عیسائیت کے مسلمانوں میں فروغ کے سلسلے میں مطلوبہ نتائج کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکی وہ اس تعلیمی نظام کے ذریعے سے حاصل کرلیں اور ان کا یہ حربہ بہت کامیاب رہا ہے۔

مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی معاندانہ پالیسی:

انگریز حکومت نے مسلمانوں کے خلاف جو معاندانہ پالیسیاں بنائیں اس کے بہت سے اسباب تھے:

- جن میں سرفہرست صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست اٹھانا تھا۔
- دوسرا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں سے انگریزوں نے حکومت چھینی تھی لہٰذا اگر ان کو کسی طرف سے بغاوت کا خطرہ تھا تو وہ مسلمان تھے۔
- انگریز ہندوستان میں تاجر بن کر آئے تھے نہ ان کی تجارت پُرامن تھی اور نہ ہی ضابطہ اخلاق کی پابند۔ ان کے طرزِ عمل سے ہزارہا افراد کو شکایات رہتی تھیں اور وہ مظلوم افراد دادرسی کے لیے مسلمان حکمرانوں اور امراء کے پاس جاتے تھے اور انہیں انصاف قائم کرنے کے لیے انگریز تاجروں کو ضابطہ اخلاق کا پابند کرنا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے انگریزوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف زہر بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ جب وہ فاتح اور مسلمان مفتوح ہوئے تو انہیں انتقام لینے کا موقع مل گیا۔
- سیاسی فہم وتدبر مسلمانوں میں کسی طرح کم نہ تھی بلکہ وہ شجاعت وبہادری میں بھی بے مثل تھے۔ اس لیے انگریز ان

کو اپنا ہم پلہ سمجھتے ہوئے اپنا حریف گردانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی تا کہ وہ کسی بھی طرح انگریزوں کی برابری کا خواب نہ دیکھ سکیں۔ ولیم ہنٹر ان الفاظ میں مسلمانوں کی خوبیوں کا اعتراف کرتا ہے "حقیقت یہ ہے کہ جب یہ ملک ہمارے قبضے میں آیا تو مسلمان یہاں سب سے اعلیٰ قوم تھے۔ نہ صرف جرأت اور زورِ بازو میں برتری رکھتے تھے بلکہ سیاسی تنظیم اور عملی سیاست میں بھی سب سے آگے تھے۔(۴۰)

معاندانہ تدابیر:

انگریز ایسی حریف قوم سے خائف تھے اس لیے وہ ان کو ناکارہ، پسماندہ اور پست ہمت بنا دینا چاہتے تھے تا کہ آئندہ ان کی جانب سے کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انگریزوں نے ایک طویل المیعاد منصوبہ بنایا اور اس پر سختی سے عمل کیا اور بالآخر ایک ترقی یافتہ پر عزم قوم کو مفلس، پست ہمت اور ناکارہ بنا دیا۔ اس منصوبے کے چند اجزاء یہ تھے:

۱) مسلمانوں پر رزق کا دروازہ بند کر دیا جائے ان کو مفلس اور نادار بنا دیا جائے۔

۲) تعلیم کے دروازے ان پر بند کر دیے جائیں اور ان کو جاہل اور پسماندہ بنا دیا جائے۔

۳) ان کی تاریخ کو مسخ کر دیا جائے۔ ان کے اندر احساسِ کمتری پیدا کر دیا جائے۔

۴) ہندوستان کی دوسری قوموں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کر دی جائے۔

یہ ایک طویل المیعاد منصوبہ تھا جس پر انگریزی حکومت نے مستقل مزاجی سے عمل کیا اور بالآخر ایک مہذب اور شائستہ قوم کو جاہل، نادار اور مقہور بنا دیا۔(۴۱)

مسلمانوں کے لیے نظامِ تعلیم کا اجراء:

برطانوی عہدِ حکومت کے ابتدائی سالوں میں انگریزوں نے بالخصوص اس بارے میں توجہ کی کہ مسلمانوں کو بحیثیت قوم ختم کر دیا جائے اور ان کو "باغی" قرار دے کر ان کو انتقام کا نشانہ بنایا جائے۔ ان کی معاشی بدحالی اور سماجی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جاتا۔ مسلمانوں کے لیے یہ مسئلہ خاص طور پر اس لیے بھی زیادہ نازک تھا کہ وہ انگریزوں سے پہلے اس ملک کی قوتِ حاکمہ تھے۔ انگریزوں کی غلامی کو مسلمان عوام ذہنی طور پر قبول کرنے کو تیار نہ تھے چنانچہ انگریزوں کے نظامِ تعلیم کی پالیسی کے پیچھے جو خفیہ مشنری عزائم کارفرما تھے اس نے مسلم معاشرے کو خصوصاً متاثر کیا جبکہ انگریزوں کی برصغیر آمد سے قبل یہاں تعلیم کا انتظام علماء کے ہاتھ میں تھا اور جو مدارس یہاں قائم تھے ان کے اخراجات پورے کرنے کے لیے امراء اور بادشاہوں نے بڑے بڑے قطعاتِ اراضی اور جائیدادیں وقف کر رکھی تھیں۔ انگریز حکومت قائم ہوئی تو بقول ہنٹر اس کا اثر مسلمانوں کے نظامِ تعلیم پر یہ ہوا کہ "مسلمانوں کا تعلیمی نظام و تعلیمی ادارے ۱۸ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک ظلم

مٹ گئے۔"(۴۲)

مسلمانوں کو پسماندہ بنانے کے لیے انگریزوں کی حکمت عملی:

ا۔اوقاف کی ضبطی:

حکومتِ برطانیہ سے پہلے مسلمانوں کا نظامِ تعلیم ایک آزاد اور خودمختار نظام تھا اور ہر طرح کی حکومتی مداخلت سے آزاد تھا۔ یہ خودکار نظام اوقاف اور معافیوں کی آمدنی سے چلتا تھا۔ پورے ملک میں ایسے ہزاروں اوقاف موجود تھے اور ان کے ساتھ ہر جگہ مدارس بھی قائم تھے جہاں نئی نسلوں کی تعلیم وتربیت کا نظام بلاتعطل وانقطاع جاری رہتا تھا۔ ہزاروں علماء اور مشائخ شعبہ تعلیم سے وابستہ تھے۔فکرِ معاش سے آزاد ہو کر اس کارِ عبادت میں مشغول تھے۔

یہ تمام حقائق جب حکومتِ برطانیہ کے علم میں آئے تو کمپنی کی حکومت کی جانب سے، اس سرچشمہ کو ختم کرنے اور خشک کرنے کے لیے ۱۸۱۸ء میں لارڈ ویلزلی نے ایک اسکیم بنائی جس کو قوانینِ بازیافت کا نام دیا گیا۔ اس قوانین بازیافت یعنی Resumption Act کو نافذ کر کے اوقاف، معافیوں اور خراجی زمینوں کو بحقِ سرکار ضبط کرلیا۔ لارڈ ولیم بینٹنگ نے 1868ء میں ایک اور نہایت سخت گیر قانون نافذ کیا۔ یہ ایک نہایت ہی بے رحمانہ قانون تھا جسے بے رحمی سے نافذ کیا گیا۔ لہٰذا مساجد کو گرجا گھروں میں یا فوجی چھاؤنیوں میں تبدیل کر دیا گیا اور اسلامی شعائر پر عمل کرنے کو سختی سے منع کر دیا گیا۔ ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب Our Indian Muslims میں لکھا ہے:

''مسلمان ہم پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو دینی امور انجام دینے سے روکا ہے۔ ان کے نزدیک ہمارا یہ سب سے بڑا جرم تھا کہ ہم نے ان سے اوقاف کو چھین لیا جو مسلمان سربراہوں نے مساجد اور تعلیم کے لیے وقف کیے تھے اور ہم نے ان کا دوسرا مصرف نکالا۔ عیدین اور نکاح ورواج کے قواعد وضوابط بدل ڈالے... ہم نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ذلیل کیا۔ ان کے قانونِ وراثت کو مسخ کر دیا اور ان کے دینی شعائر کو مضحکہ خیز بناتے تھے۔ ان کی مساجد کے اوقاف اور سارے صوبے ہمارے قبضے میں آگئے... اس اقدام نے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کو تباہ اور غارت کر دیا۔ اس قانون نے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم پر سخت ضرب لگائی۔''(۴۳)

۲۔عربی فارسی زبانوں کی تعلیم کا خاتمہ:

عربی اور فارسی زبانوں کی اہمیت مسلمانوں میں بہت زیادہ ہے۔ ان کا سارا مذہبی لٹریچر ان ہی دونوں زبانوں میں ہے کہ جن کی تحصیل سے ان کی دینی وملی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ ان دونوں زبانوں میں ان کا شاندار ماضی محفوظ ہے اور یہی زبان دوسری اقوام کے ساتھ ان کے رابطے کو مضبوط بناتی ہے۔ ۱۸۳۵ء میں میکالے اور بینٹنگ نے اپنی نئی تعلیمی اسکیم تیار کی۔ اس کے ذریعے عربی اور فارسی کو یک قلم ختم کر دیا گیا۔ یہ مسلمانوں کے عظیم سرمایہ پر ایک ایسا حملہ اور کاری وار تھا کہ

اس نے مسلمانوں کی نئی نسلوں کو ان کے دین سے، ان کے قابلِ فخر ماضی سے، نیز برادر اسلامی ممالک سے کاٹ کر پھینک دیا۔ اس طرح جو مضبوط تعلق و رشتہ ان کے اور ان کے شاندار ماضی کے درمیان تھا وہ منقطع ہو گیا۔ وہ اپنے اسلاف کی میراث سے بیگانہ ہو گئے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت آٹھ سو سال رہی۔ اس عرصے میں فارسی کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل تھا۔ سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے تہذیبی و مذہبی اثرات یہاں بسنے والی اقوام پر پڑے اور ان پر گہرے اثرات مرتب ہوئے لیکن انگریزی حکومت نے فارسی کی سرکاری حیثیت کو ختم کر دیا اور مدارس میں اس کی تعلیم کی مکمل ممانعت کر دی گئی۔ اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف تو مسلمانوں کو ان کے تہذیبی رشتے و میراث سے ناواقف کر دیا جائے دوسری طرف ہندوؤں کو ان کے اثرات سے نکالا جائے۔ تیسرا یہ کہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کو ناکارہ بنا دیا جائے کیونکہ جو لوگ فارسی کے ماہرین تھے وہ فارسی پر پابندی کے بعد سرکاری ملازمتوں اور عہدوں کے لیے بیکار و ناموزوں گردانے گئے۔ یہ ایسا کاری وار تھا کہ مسلمانوں پر اس کے بہت دوررس اثرات نمودار ہوئے۔ مسلمان میدانِ علم و فکر میں بہت پیچھے رہ گئے۔

کسی قوم کے افکار اور تہذیب و تمدن کی نشو و نما میں اس کی زبان کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ زبان ایک قوم کے جذبات اور افکار کا آئینہ ہوتی ہے۔ چنانچہ جن ماہرینِ تعلیم کو اندازہ تھا کہ مشرقی اقوام میں یورپی افکار اور تمدن کی اشاعت میں خود یورپی زبان بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہے انہوں نے انگریزوں کو مشورہ دیا کہ ان اسلامی زبانوں کو ختم کرنے کی مہم چلائی جائے اور انگریزی زبان کو ان کا قائم مقام بنایا جائے۔ اس کام کا جو مقصد تھا وہ لارڈ میکالے کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے جو اس نے ۱۸۳۵ء میں تعلیمی پالیسی مرتب کرتے وقت تحریر کیا، اس نے کہا:

''ہمیں ایسے لوگ چاہئیں جو ہمارے اور ہماری رعیت کے درمیان ترجمان کا کام دیں اور یہ ایسے لوگ ہونے چاہییں جو رنگ و خون کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوں لیکن ذوقِ رائے اور زبان و فکر کے لحاظ سے انگریز ہوں۔'' (۴۴)

۳۔ مغربی تعلیم کا اجراء:

ہندوستان میں مغربی تعلیم کا اجراء مسیحی مبلغین کے ذریعے عمل میں آیا۔ ان مبلغین نے ۱۷۱۵ء سے یہاں مغربی تعلیم کے ادارے قائم کرنے شروع کیے۔ ابتداء میں تو صرف انگلستان کے مسیحی اداروں کو یہاں تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت تھی۔ مگر ۱۸۳۳ء کے چارٹر میں برطانوی پارلیمنٹ نے دنیا بھر کے مسیحی مشنریوں کو اجازت دے دی کہ وہ ہندوستان آئیں اور اشاعتِ مسیحیت کے مقدس کام میں ہاتھ بٹائیں۔ ۱۸۵۷ء تک تعلیم کا کام انہی مشنری مبلغین کے ہاتھوں میں رہا۔ کمپنی کی حکومت نے علیحدہ سے کوئی تعلیمی ادارہ نہ قائم کیا البتہ وہ انہی مشنری تعلیمی اداروں کی بھرپور امداد و تعاون کرتے۔

ان تعلیمی اداروں کا مقصد تعلیم دینے سے زیادہ عوام کی اکثریت کو مسیحی تعلیم سے آگاہ کر کے انہیں مسیحی بنانا تھا۔ اس سلسلے

میں یہ ادارے ہر ممکن طریقے سے دینِ مسیحیت کو جاذبِ نظر اور پرکشش بنا کر پیش کرتے تھے تاکہ طلبہ ان کی طرف راغب ہو جائیں۔ ان تعلیمی اداروں کے نام مسیحی ولیوں کے نام پر رکھے جاتے تھے جیسے اسٹیفن کالج، سینٹ جان وغیرہ۔ نہ صرف یہ بلکہ جناب مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کا مجسمہ ان مدارس میں نمایاں مقام پر نصب ہوتا تھا۔ مدرسین مکمل طور پر پادری ہوتے تھے اور اپنا مذہبی لباس زیبِ تن کیے ہوتے تھے جبکہ صلیب بھی لازماً پہنی جاتی تھی۔ تعلیمی اوقات کا آغاز مسیحی دعا سے ہوتا تھا۔ نصابِ تعلیم میں انجیل کی تعلیم لازم تھی۔ اس سلسلے میں بنگال کے سیکرٹری داخلہ فریڈرک ہالیڈے کا بیان نہایت دلچسپ ہے:

''میں سمجھتا ہوں کہ ہندو کالج کلکتہ میں انجیل مقدس کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ انگلستان کے کسی پبلک اسکول میں بھی اتنی نہیں ہوگی۔'' (۴۵)

ان اداروں میں مذہبِ عیسوی کی تعلیم تو لازم تھی مگر دیگر مذاہب کا داخلہ ممنوع تھا۔ یہ صورتحال مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہ تھی کہ وہ مادی ترقی کی خاطر دینِ مسیحیت کا لبادہ اوڑھ لیتے۔ نتیجتاً انہوں نے ان اسکولوں اور کالجوں میں داخلہ نہ لیا۔ تعلیم کا یہ طریقہ کار واضح کرتا ہے کہ ان کا مقصد مسلمانوں کو جدید تعلیم سے دور رکھنا تھا جبکہ ڈھنڈورا یہ پیٹا گیا کہ مسلمان جدید مغربی تعلیم کے مخالف ہیں اور قدامت پرست ہیں۔

۴۔ منفی پروپیگنڈہ:

اپنی ان سازشوں اور مقاصد کی پردہ پوشی کرنے کے لیے انگریزوں نے یہ بات پھیلائی کہ مسلمان علماء انگریزی تعلیم کے مخالف ہیں اور الزام یہ لگایا کہ انہوں نے اس کے خلاف کفر کے فتوے دیے ہیں۔ نہ صرف یہ الزام لگایا بلکہ اس کی تشہیر کی مہم پورے زور وشور سے چلائی۔ حتی کہ اس منفی پروپیگنڈے کا اپنے اور بیگانے سب کو یقین آ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج تک کوئی بھی شخص ایسا کوئی فتوی پیش نہیں کر سکا کہ جو انگریزی زبان سیکھنے اور مغربی تعلیم حاصل کرنے کے برخلاف ہو جبکہ اس کے حق میں شاہ عبدالعزیز دہلوی ۱۸۲۴ء اور مولانا عبدالحئی لکھنوی ۱۸۸۶ء کے فتاویٰ موجود ہیں۔ مسلمان پرتگالیوں کے دور سے مغربی زبانیں اور مغربی علوم سیکھ رہے تھے۔ (۴۶)

یہ معاملہ ضرور تھا کہ وہ اپنی نوخیز نسلوں کو ان مبلغین کے ہاتھوں میں دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

۵۔ مدارس کا خاتمہ:

انگریز حکومت کے ان اقدامات سے مسلمانوں کا نظامِ تعلیم ناکارہ ہو گیا اور اس کے تمام علمی سوتے خشک ہو گئے۔ تمام دینی مدارس سوکھے پتوں کی طرح گر پڑے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''جس روز سے برطانوی سامراج نے ہندوستان میں قدم رکھا ہے، اسی روز سے اس کی یہ مستقل پالیسی رہی ہے کہ مسلمانوں کا زور توڑا جائے۔ اسی غرض کے لیے مسلمان ریاستوں کو مٹا دیا گیا اور اس نظامِ عدل وقانون کو بدلا گیا جو

صدیوں سے یہاں قائم تھا۔اسی غرض کے لیے انتظامِ مملکت کے قریب قریب ہر شعبے میں ایسی تدبیریں اختیار کی گئیں جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو معاشی حیثیت سے تباہ و برباد کر دیا جائے اور ان پر رزق کے دروازے بند کر دیے جائیں چنانچہ گزشتہ ڈیڑھ سو سال کے اندر اس پالیسی کے جو نتائج ظاہر ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کو جو قوم کبھی اسی ملک کے خزانوں کی مالک تھی وہ اب نان شبینہ تک کی محتاج ہو چکی ہے۔اس کو معیشت کے ذرائع سے ایک ایک کر کے محروم کر دیا گیا ہے اور اب اس کی ۹۰ فی صدی آبادی غیر مسلم سرمایہ دار کی معاشی غلامی میں مبتلا ہے۔ساہوکار سے برطانوی سامراج کا مستقل اتحاد ہے اور برطانوی نظامِ عدالت اس کے لیے وہی خدمات انجام دے رہا ہے جو سود خوار پٹھان کے لیے اس کا ڈنڈا انجام دیتا ہے۔(۴۷)

تھامس نے پرانے نظامِ تعلیم کی اس تباہی پر سخت افسوس کا اظہار کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

''زیادہ مدت نہیں گزری کہ پرانے نظامِ تعلیم کو تباہ کرنے کا کام منظم طور پر شروع ہوا اور ڈائریکٹر تعلیمات کو بار بار خوشی کے ایسے لمحات میسر آتے تھے جو ایک سال میں اور ایک ہی تحصیل میں چھ چھ اور سات سات سو دینی مدارس کے بند ہو جانے کی اطلاع سے عبارت ہوتے تھے۔''(۴۸)

۶۔تاریخ کو مسخ کرنا:

کسی قوم کی زبان اور اس کی تاریخ اس کے افکار، فلسفہ حیات اور تہذیبی و ثقافتی اقدار کی آئینہ دار ہوتی ہے جس کے ذریعے اس کی روایات، نفسیات اور اجتماعی خصوصیات کا عکس اور نقش دیکھا جا سکتا ہے۔کسی قوم کا تعلق اپنے ماضی، اس کی تہذیب و ثقافتی ورثے سے نیز اس کے علمی، فکری اور دینی سرمایے سے منقطع کرنے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اس قوم کی تاریخ کو مسخ کر کے، حقائق کی من چاہی تعبیرات کر کے، زبان کو یا اس کے رسم الخط کو بدل دیا جائے۔انگریزوں نے اسی نقطۂ نظر سے ہندوستان میں کوششیں کیں کہ مشنری اور سامراجی لائحہ عمل کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کا رشتہ اپنے اسلامی تمدن اور تہذیبی اقدار سے کاٹ دیا جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ مغربی افکار اور مسیحیت کے لیے لقمہ تر بن سکیں۔

مسلمانوں میں احساسِ کمتری پیدا کرنے کے لیے انگریزوں نے طے کیا کہ ان کے افضل ترین اور برتر تہذیب کو داغدار اور مجروح بنا دیا جائے تاکہ مسلمانوں کا ایمان مضمحل ہو جائے اور ان کی دینی اور اخلاقی ساکھ کو ختم کر دیا جائے۔یہ کام انگریز مستشرقین نے علم و تحقیق کے نام پر انجام دیا۔سیرت الرسول ﷺ پر، دینِ اسلام پر اور مسلمانوں کی تاریخ پر کتابیں تحریر کر کے انھوں نے عیب جوئی، غلط فہمیوں، نکتہ چینی اور تشکیک کا ایسا پہاڑ کھڑا کیا کہ خود مسلمانوں میں سے بھی بہت سے افراد ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ بن گئے۔یہ سب کچھ دیدہ و دانستہ کیا گیا تھا اور اس کا مقصد اولین یہ تھا کہ مسلمان اپنی شاندار تہذیب اور قابلِ فخر تاریخ نیز قابلِ رشک ورثے علمی و فکری کے بارے میں التباس و تشکیک کا شکار ہو جائیں۔یہ تمام چیزیں

جوان کے لیے سرمایہ افتخار ہیں ان کے بارے میں ان کے قلوب واذہان میں احساسِ کمتری پیدا ہو جائے اور وہ ان سے اپنا رابطہ منقطع کرلیں۔

انگریزوں کے یہاں تاریخ نویسی کا مقصد حقیقت نگاری نہیں ہے بلکہ تاریخ سے ان کا مقصد سیاست کاری اور کار برآری ہے۔ کمپنی کے دورِ حکومت میں اس مقصد کو سامنے رکھ کر ایلیٹ Eliot اور ڈاؤسن Dowson نے مشہور تاریخ لکھی۔ یہ ہندوستان کی جامع تر تاریخ ہے اور اس کی آٹھ جلدیں ہیں۔ تلاشِ مواد کے لیے بڑی کاوش اور جستجو کی گئی۔ تاریخ پر لکھی ہوئی تمام کتابیں ان کے سامنے تھیں مگر یہ تاریخ ایک خاص مقصد کے لیے خاص طرز پر مرتب کی گئی ہے۔ ایک ہوشیار وکیل کی طرح ایسے تمام واقعات نمایاں کر دیئے گئے ہیں جن پر مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کا کردار تاریک، داغدار اور گھناؤنا نظر آتا ہے۔ اسلامی دور کی تصویر بڑی بھیانک کھینچی گئی ہے تاکہ پڑھنے والا اس دور سے بیزار ہو جائے۔ ان تاریخ نویسوں نے ایک مذموم کوشش یہ کی کہ ہندوستان کی دوسری تمام اقوام کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور حقارت پیدا ہو جائے اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔ نیز اس کیذریعے انہوں نے ہندو مسلم، سکھ مسلم فسادات کو پروان چڑھایا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان مستشرقین نے اپنی کتابوں کے ذریعے دنیا بھر میں اس خیال کو شہرت دی کہ ہندوستان اور ہندو مترادف ہیں اور ہندو یہاں کے اصل باشندے ہیں جبکہ مسلمان ہندوستان میں غیر ملکی ہیں۔ یہ شوشہ ہی وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے ہندو مسلم فسادات کا آغاز ہوا۔

مسلمانوں کے مصائب اگر تمام تر اقتصادی ہوتے تب بھی ان کا حل آسان نہ تھا لیکن اس زمانے میں انہیں جو مسائل پیش آرہے تھے وہ زیادہ تر نظریاتی، فکری اور تہذیبی تھے جبکہ اقتصادی ترقی اور ذہنی پستی سے نکلنے کے لیے جو حل اہلِ فرنگ نے تجویز کیا تھا وہ یہ تھا کہ مسلمان انگریزی تعلیم حاصل کریں اور وہ اس سے بدکتے تھے، اب تک جو لوگ عربی و فارسی سے واقفیت رکھتے تھے وہ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے کیونکہ مسلمانوں کا تمام تر ادب اور سرکاری زبان فارسی تھی الہٰذا جو لوگ انگریزی نہ جانتے تھے ان کو ملازمتوں سے فارغ کر دیا گیا۔ غور کیا جائے تو یہ مسلمانوں پر ایک کثیر المقاصد حملہ تھا۔ ایک طرف تو اس کے ذریعے مسلمانوں کو اقتصادی طور پر زبوں حالی کا شکار کیا۔ انہیں معاشی دوڑ میں بہت پیچھے لا کھڑا کیا تو دوسری جانب یہ حملہ مسلمانوں کی نظریاتی بنیادوں کو متزلزل کرنے کے لیے تھا کیونکہ نئی زبان سیکھنے اور اس کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کرنے میں بہت سا وقت درکار تھا۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو ان کے تاریخی تہذیبی ورثے سے بے دخل کرنے کی پوری سعی کی۔ ان مقاصد کے لیے انہوں نے سرکاری تعلیمی ادارے کھولے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ان اداروں سے ایسے سرکاری ملازم تیار کیے جائیں جو ان کی اغراض کو عملی جامہ پہنائیں۔

لارڈ میکالے نے اپنی یادداشت میں ہندوستان کے پرانے اور مروجہ ادبیات کا خوب خاکہ کھینچا ہے اور یہ بھی واضح

اشارہ کیا ہے کہ انگریزوں کی انتظامی اغراض اور تجارتی ضروریات کا تقاضا ہی تھا کہ اہلِ ہند میں انگریزی زبان اور مغربی تمدن مقبول ہوں۔ نئے تعلیم یافتہ " کالے انگریز" بن جائیں، مذہبی فوائد جن کا سرکاری تحریروں میں اظہار نہیں، خانگی خطوں میں مسطور ہیں کہ میری تجاویز پر عمل ہوا تو لوگوں کے عقائد بدل جائیں گے۔(۴۹)

برصغیر میں انگریزی تعلیم کے مقاصد:

برصغیر میں انگریزی تعلیم کو رواج دینے اور اسے سرکاری زبان کا درجہ دینے کے در پردہ کچھ مقاصد وعزائم تھے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

- یہ بالکل انگریزوں کے اختیار میں ہے کہ وہ ہندوؤں (یعنی اہلِ ہند) کو بتدریج ہماری زبان سکھائے اور بعد میں اس کے ذریعے ہمارے فنون، فلسفہ اور مذہب کی تعلیم دے۔ یہ تعلیم خاموشی کے ساتھ تمام غلط باتوں کی عمارت کی بیخ کنی کر کے بالآخر اسے گرا دے گی (اہلِ ہندوستان کو)۔
- مگر بلاشبہ سب سے اہم تعلیم جو اہلِ ہندوستان کو ہماری زبان کے ذریعے ملے گی وہ ہمارے مذہب کی معلومات ہوں گی۔
- مسلمانوں نے اپنی سلطنت کے زمانے میں ہندوؤں کی شخصیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا (چنانچہ ان کے نزدیک ان انگریزوں کا فرض ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی شخصیت میں تبدیلی پیدا کریں)۔
- ہندو اس قدر کمزور دل ہیں کہ ان میں سیاسی آزادی حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہونے کی ہرگز امید نہیں ہے۔ اگر کوئی خطرہ ہے تو صرف مسلمانوں سے۔
- اس اندیشے سے کہ تعلیم پھیلنے سے کسی زمانے میں ہماری حکومت متزلزل نہ ہو جائے اور ہمارے فوائد کو نقصان نہ پہنچے ہمیں ہندوستانیوں کو سچے مذہب (یعنی مذہبِ عیسوی) سے اور بہترین اخلاق سے اور علوم وفنون کے اصول سے محروم نہیں کرنا چاہئے۔
- جس طرح کہ مسلمانوں نے دفتر کی زبان فارسی کر دی تھی اسی طرح انگریزی جاری کرنے سے عدالتوں اور دفاتر کے کام میں آسانی ہوگی اور ہندو اسے خوشی سے حاصل کریں گے کیونکہ اس سے ان کی وقعت اور اہمیت بڑھے گی۔

مندرجہ بالا اقتباسات میں سے اقتباس نمبر۳ سے واضح ہے کہ مسلمانوں نے اپنی سلطنت کے زمانے میں ہندوؤں کے مذہب پر کسی قسم کا اثر نہ ڈالا تھا۔(۵۰)

ان تمام نکات سے حکومتِ برطانیہ کی پالیسی کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کن در پردہ عزائم کی تکمیل کے لیے یہ تعلیمی پالیسی تشکیل دی۔ نئی پالیسی اختیار کرتے وقت سول سروس کے ایک کہنہ افسر ولیم ہنٹر نے مسلمانوں کے مسائل کا جائزہ لیا تھا۔

تعلیم کے باب میں اس نے حکومت کو مشورہ دیا تھا:

''مسلمان لڑکوں کو ہمیں اپنے طریقے پر تعلیم دینا چاہئے۔ان کے مذہب میں عدم مداخلت کے ساتھ بلکہ مذہبی فرائض کی پوری ادائیگی کے ساتھ، ہم ان کے مذہبی اخلاص اور دینی احکام کی پابندی میں ضعف اور کمزوری پیدا کر دیں گے۔ مسلمانوں کی نوخیز نسلیں بھی اسی راستہ پر چل پڑیں گی جس پر چل کر ہندو آج روادار بن چکے ہیں ورنہ سابق میں وہ ایک انتہائی متعصب قوم تھی۔ رواداری کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی طرح اعتقادات میں متشدد نہیں رہیں گے۔غلط مذہب کے نام پر جو بے رحمی وہ کرتے ہیں جن جرائم کا ارتکاب وہ کرتے ہیں یہ رواداری ان کو ان تمام باتوں سے رہائی دلا دے گی۔''(۵۱)

چنانچہ میکالے کے منصوبے کے تحت ہندوستان میں ایک نیا متوسط طبقہ معرض وجود میں آیا جو جدید مغربی تعلیم سے تو واقف تھا لیکن اپنے مشرقی علوم و تہذیب سے غافل تھا۔(۵۲)

مسلمانوں پر انگریزی تعلیم کے اثرات:

انگریزی تعلیم کی دوڑ میں مسلمان سست اور پسماندہ رہے اور اس کا سبب محض مسلمانوں کا تعصب اور انگریزی سے تنفر نہ تھا بلکہ جیسا کہ ولیم ہنٹر نے تحریر کیا ہے کہ "خود انگریز حکام مسلمانوں کو سرکاری ملازمت سے محروم رکھنا اور ہنود کو انگریزی پڑھا کر اپنے ماتحت ان پر مسلط کرنا چاہتے تھے جب تک حکومت کی یہ حکمتِ عملی نہ بدلی مسلمان انگریزی تعلیم کے میدان میں قدم نہ بڑھا سکے۔

ہندو باشندوں کا انگریزی سیکھنے میں مسابقت کرنا کچھ قابلِ حیرت نہ تھا کیونکہ صدیوں سے ان کی کوئی علمی اور سرکاری زبان نہ تھی جب تک مسلمانوں کا اقتدار تھا فارسی کا طوطی بولتا تھا۔ ہندو بھی اسی زبان میں مشق اور مہارت حاصل کرتے تھے۔گردشِ روزگار ایک قوم کو اوپر لائی تو اب اس کی زبان سیکھنے پر تیار ہو گئے۔ وہ فارسی کی نسبت زیادہ اجنبی اور مشکل ضرور تھی مگر نئے حاکموں نے ملازمت کا روغن چپڑ دیا اور طمع کی شکر لپیٹ دی تو یہ کڑوی گولی نگل جانا سہل ہو گیا۔"(۵۳)

مسلمانوں کے انگریزی تعلیم میں پیچھے رہ جانے کے اسباب:

مسلمانوں کے انگریزی تعلیم میں پیچھے رہ جانے کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ انگریزوں نے شروع سے سرکاری مدارس میں اپنی زبان ادبیات، ضروری حساب اور معلومات عام کے چند مضامین کی تعلیم دلوائی۔ان کا مقصد کسی سے چھپا ہوا نہ تھا کہ نظم و نسق میں مدد دینے کے لیے انگریزی دان ملازم تیار کرنا چاہتے تھے جبکہ مروجہ فارسی ایک سہل و سلیس، شستہ و شائستہ زبان تھی۔ایسے آراستہ بنے بنائے چمن کے مقابلے میں انگریزی

کی وسعت اپنی بے قاعدہ صرف ونحو، دشوار تلفظ اور پیچیدہ طرزِ بیان سے ایک گھنا بلکہ گھناؤنا جنگل نظر آتی ہے جس کے پیچ وخم سے پوری واقفیت حاصل کرنا برسوں کی سرگردانی کے بغیر محال تھا۔

۲۔ دوسرے مضامین میں جغرافیے یا موالید ثلاثہ کی تھوڑی سی جدید معلومات کے سوا کوئی نئی بات شامل درس نہ تھی۔ یہ مضامین یا ریاضی ملکی زبانوں میں زیادہ آسانی سے پڑھائے اور ذہن نشین کروائے جاسکتے تھے۔

۳۔ یورپ کی اصلی فوقیت تجرباتی اور میکانکی علوم سے ہاتھ میں آئی ہے۔ انہیں پڑھانے، سکھانے میں انگریز آخر تک بخل سے کام لیتے رہے۔ بعض مبادی یا نظریاتی کتابیں اونچے درجوں میں داخل کیں مگر کان کنی، بڑی کلیں بنانا یا کارخانے بنانا ایک طرف انجینئری، جراحی، دواسازی تک کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام تک نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ سوسال سے زیادہ عرصہ شاگردی کرائی پھر بھی جدید علم وفن میں ممالک ہند پسماندہ رہے۔

۴۔ معنوی یا اخلاقی اعتبار سے زیرِ نظر عہد کی انگریزی کتابیں اسلامی اصول سے کوئی نمایاں اختلاف نہ رکھتی تھیں تاہم یورپ کے مصنفوں کا رخ مذہب وروحانیت سے عقلیت ومادہ پرستی کی طرف چلا گیا۔ ملت اسلامی کے عقیدے میں تعلیم کا یہ صحیح راستہ نہ تھا، گمراہی تھی۔

۵۔ تعلیم جدید کا سب سے ناگوار مضمون وہ انگریزی تاریخیں تھیں جن میں مشرقی خصوصاً ممالکِ ہند کے مسلمان سلاطین کو بدنام کیا گیا اور واقعات کو مسخ کرنے میں کذب وافتراء تک سے کام لیا گیا۔ ان کے مطالعے سے ہندوؤں کے دل میں نفرت واشتعال، مسلمان طلباء میں رنج وانفعال پیدا ہوتا تھا۔ انگریزوں کو تفرقہ پردازی کے مقصد میں بلاشبہ بڑی کامیابی حاصل ہوئی مگر ایسی کامیابی پر انسانیت کے دشمن ہی فخر کرسکتے ہیں۔

ان سب کوتاہیوں، خرابیوں کے باوجود جب انگریزی تعلیم ملازمت کی شرط قرار پائی تو لازماً ضرورت مند مسلمان سرکاری مدارس کی طرف متوجہ ہوئے (۵۴)

لیکن اس کے باوجود بھی انگریز نے انتقاماً اور اپنی پالیسی کے سبب مسلمانوں کو ملازمتیں نہ دیں اور مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشی حالت مزید بدحالی کا شکار ہوتی گئی۔

مسلمان اب اس قدر گر گئے ہیں کہ اگر وہ سرکاری ملازمت پانے کی قابلیت بھی حاصل کرلیتے ہیں تب بھی انہیں سرکاری اعلانات کے ذریعے خاص احتیاط کے ساتھ ممنوع کردیا جاتا ہے، ان کی بے کسی کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا اور اعلیٰ حکام تو ان کے وجود کو تسلیم کرنا ہی اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ (۵۵)

حکام کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس سوال کا جواب ان الفاظ میں تحریر ہے جو ہنٹر صاحب نے اڑیسہ کے مسلمانوں کی ایک عرضداشت بنام کمشنر صاحب اڑیسہ نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''بہ حیثیت وفادار رعایا حضور ملکہ معظّمہ ہمیں سرکاری ملازمتیں پانے کا یکساں حق ہے۔ اصل یہ ہے کہ اڑیسہ کے مسلمان اس قدر پیس دیئے گئے ہیں کہ اب ان کے ابھرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ نسل کے اعتبار سے شریعت پیشہ کے اعتبار سے غریب سرکاری سرپرستی سے محروم ہماری حالت ان مچھلیوں کی مانند ہے جو پانی سے نکال کر باہر پھینک دی گئی ہوں۔ یہ مسلمانوں کی بدترین حالت ہے جو حضور کے سامنے اس لیے پیش کی جاتی ہے کہ حضور، ملکہ معظّمہ کے قائم مقام ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ بلالحاظ رنگ وملت سب قوموں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے گا۔ سرکاری ملازمتوں سے خارج ہونے کے بعد ہم مفلسی اور مایوسی کے اس درجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ اگر بیس روپے ماہوار کی نوکری بھی مرحمت ہو جائے تو ہم دنیا کے سب سے دور دراز مقامات تک سفر کرنے، ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھ جانے اور سائبیریا کے سنسان بیابانوں میں بھٹکتے پھرنے کو بھی خوشی سے تیار ہیں۔'' (۵۶)

انگریز حکومت اسی پالیسی پر گامزن تھی کہ مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں پسماندہ ہی رکھا جائے اور ایسی پالیسی بنائی جائے کہ وہ مدارس میں پڑھنے ہی نہ آئیں۔

مسلمانوں کو تعلیمی میدان سے خارج کرنے کی پالیسی مرتب کی گئی کہ افسران بالا ہندوؤں کو ٹریننگ میں جانے کی زیادہ ترغیب دیں اور انہیں ایسے اسکولوں میں مقرر کریں جہاں شدت کے ساتھ مسلمان استادوں کا اصرار نہ ہو۔ چنانچہ یہ پالیسی اس قدر کامیاب ہوگئی کہ حالات یکسر بدل گئے اور مسلمان تعلیم کے عنصر سے بالکل خارج ہو گئے۔ "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں:

''موجودہ طرزِ تعلیم کا قالب ہندوؤں کی ضروریات کے مطابق بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس بارے میں اس قدر گھاٹے میں رکھا گیا تھا کہ اسکولوں میں مسلمان بچوں کا کم تعداد میں ہونا حیرت انگیز امر نہیں ہے بلکہ ان حالات میں محض ان کا وجود ہی حیرت انگیز ہے۔'' (۵۷)

چنانچہ مسلمانوں کا تنزل جو کہ ۱۷ویں صدی سے شروع ہوا تھا اور ۱۹ویں صدی میں پایہ تکمیل کو پہنچ گیا اور یہ صرف ایک سیاسی زوال ہی نہ تھا بلکہ اس انحطاط کا دائرہ کار مسلمانوں کی مذہبی، معاشرتی، تمدنی اور معاشرتی زندگی نیز خصوصاً مذہب تک پھیلا ہوا تھا کیونکہ تعلیم ہی وہ ہتھیار تھا جس کو استعمال کر کے انگریزوں نے عسکری وعلاقائی سطح سے بھی زیادہ کامیابی حاصل کی کیونکہ اس طرح انہوں نے اپنی تعلیم وتربیت کے ذرائع کو بروئے کار لا کر اپنی من پسند اور ایک مغلوب ذہن قوم پیدا کی کہ جن کے جسم تو ہندوستانی تھے مگر افکار انگریزی تھے، جن کی قومیت تو ہندوستانی تھی مگر انگریز حکومت کے وفا شعار و وفادار تھے۔ گویا انگریزوں نے اس میدان میں ایسی فتح حاصل کی کہ یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی اس نے ذہنی طور پر لوگوں کو مفلوج بنا کر رکھ دیا کہ وہ انہی کے ذہن سے سوچتے ہیں گویا نظریاتی نوآبادی قائم کر لی۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد اکرام، شیخ، آب کوثر، لاہور، ۲ کلب روڈ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۶ء، ص ۲۴،۲۳

۲۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، تاریخ نظریہ پاکستان، لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق، بہاول شیر روڈ، مزنگ، ص ۴۲

۳۔ ایضا؛ ہاشمی فرید آبادی، سید، مغلوں کے زوال سے قیام پاکستان تک، لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۰ء، ص ۴۷

۴۔ حسن ریاض، سید، پاکستان ناگزیر تھا، کراچی، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۵

۵۔ مغلوں کے زوال سے قیام پاکستان تک، ص ۴۷-۷۷

۶۔ خورشید رضوی، اسباب بغاوت ہند، لاہور، ساگر پبلشرز، A-۷ لوئر مال، داتا دربار، روڈ، ۲۰۰۱ء، ص ۲۲۳

۷۔ ایضا، ص ۱۹

۸۔ طفیل احمد، منگلوری، علیگ، سید، مسلمانوں کا روشن مستقبل، لاہور، حماد الکتبی، شیش محل روڈ، ۱۹۴۵ء، ص ۷

۹۔ ایضا، ص ۸۱

۱۰۔ فوق کریمی، ڈاکٹر، سرسید کے سیاسی افکار، لاہور، ایشیا بک سنٹر، ۱۹۹۰ء، ص ۴۹، ۵۰

۱۱۔ عینیہ لومبا، کلونیل ازم: پوسٹ کلونیل ازم، روٹلیج۔لندن، ۱۹۹۸ء ص ۱

12- Jamal Malik Encyclopaedia of Islam and the Muslim World, Richard C. Martin Editor, Macmillan Reference, New York, Vol. 1, P:152-153

13- K. K. Aziz, The British in India, A study in Imperialism, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2007, P: 5

۱۴۔ ہمفرے، ہمفرے کے اعترافات، لاہور، اکبر بک سیلرز، اردو بازار، س-ن، ص ۷، ۸

۱۵۔ ایضا، ص ۱۰، ۱۱

۱۶۔ طاہر کامران، " کولونیل ازم: نظریہ اور برصغیر پر اس کا اطلاق"، سہ ماہی، تاریخ، لاہور، فکشن ہاؤس، مزنگ روڈ، شمارہ: ۲۲، ص ۴۱

۱۷۔ ایضا، ص ۲۳

۱۸۔ ایضا، ص ۴۲

۱۹۔ ہمفرے کے اعترافات، ص ۱۲، ۱۳

۲۰۔ مبارک علی، ڈاکٹر، برطانوی راج، ایک تجزیہ، لاہور، فکشن ہاؤس، 18-مزنگ روڈ، ۱۹۹۹ء، ص ۹۶، ۹۷

21 - Wherry, E.M., Our Mission in India, 1834-1924, Boston, The Startford company, 1926; Imdad Sabri, Firangiyn Ka Jal, Delhi 1949

.22- Powell, A. A, Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny: India, U.K, Curzon Press, 1993, P: 89-101, 135:139; Our Mission in India 1834-1924, Clark, Robert, the Missions in Punjab and Sindh, London, Church missionary Society, 1904.

23- Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny India, P:138-139; Abdullah, Muhammad, Mulana Rahmat Ullah Kairanwi Ki Ilmi-e-Deeni Khidmat ka Tehqiqi Jaiza, Unpublished thesis Ph.D. Lahore, University of the Punjab, 2000.

۲۴۔ ظفر محمود احمد، حکیم، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ان کے معاصرین، لاہور، تخلیقات، مزنگ روڈ، ۲۰۰۷ء، ص ۱۶۰

۲۵۔ ایضا، ص ۲۴

۲۶۔ صدیقی نفیس احمد، ڈاکٹر، حسرت موہانی اور انقلاب آزادی، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰

۲۷۔ احمد خان، سید، سر، رسالہ اسباب بغاوت ہند، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، مشن روڈ، ص ۱۲۹

۲۸۔ ایضا، ص ۱۲۰

29- Ahmad Khan, Sir Sayyad Asbab Baghawat-e-Hind, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 1997, P:43

۳۰۔ کولونیل ازم: نظریہ اور برصغیر پر اس کا اطلاق"، سہ ماہی، تاریخ، ص ۴۱

۳۱۔ ایضا، ص ۴۲

۳۲۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ان کے معاصرین، ص ۹۵، ۹۶

۳۳۔ امداد صابری، مولانا، فرنگیوں کا جال، لاہور، فرید بک ڈپو، ۲۰۰۸ء، ص ۱۹۶

۳۴۔ رفیق احمد، شیخ، تحریکِ پاکستان، لاہور، سٹینڈرڈ بک ہاؤس، س-ن، ص ۴۳

35 .Asbab Baghawat-e-Hind, P:45

۳۶۔ فرنگیوں کا جال، لاہور، ص ۲۴۵، ۲۴۶

۳۷۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۱۷۵

۳۸۔ برطانوی راج-ایک تجزیہ، ص ۵۰

۳۹۔ گستاؤلی بان، ڈاکٹر، تمدن عرب، مترجم: سید علی بلگرامی، لاہور، مقبول اکیڈمی، س-ن، ص ۲۰۷

۴۰۔ ڈبلیو- ڈبلیو- ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان، مترجم: ڈاکٹر صادق حسین، لاہور، مکی دار الکتب، اردو بازار، اپریل 1997ء، ص ۱۴۵

۴۱۔ محمد سلیم، سید، پروفیسر، تاریخ نظریہ پاکستان، لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق، مزنگ روڈ، 1963ء، ص ۶۸

۴۲۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۲۵۵، ۲۵۶

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۰۸

۴۴۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۱۷۷

۴۵۔ ایضا، ص ۱۴۹

۴۶۔ محمد سلیم، سید، پروفیسر، مسلمان اور مغربی تعلیم، لاہور، ادارہ تعلیم و تحقیق، تنظیم اساتذہ، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۴

۴۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تحریکِ آزادی ہند اور مسلمان، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۸۹ء، حصہ اول، ص ۴۱، ۴۲

۴۸۔ بحوالہ محمد میاں، مولانا، علماء حق کا شاندار ماضی، کراچی، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۹۱ء، ۲۱/۱

۴۹۔ ہاشمی، فرید آبادی، تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت، کراچی، انجمن ترقی اردو، پاکستان، بابائے اردو روڈ، ۱۹۹۸ء، ۴۵۱/۲

۵۰۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۱۶۴، ۱۶۵

۵۱۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۸۳

۵۲۔ حسرت موہانی اور انقلاب آزادی، ص ۱۱

۵۳۔ تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت، ۲۵۵/۲

۵۴۔ ایضا، ۴۵۷/۲، ۴۵۸

۵۵۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۵۸

۵۶۔ ایضاً، ص ۱۷۵، ۱۷۶

۵۷۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۵۱